

جنگی
2010

انسپکٹر جمشید پارٹی، انسپکٹر کامران مرزباپارٹی اور شوکی برادرز

ذاران کی زنجیر

Nadeem



اشتیاق احمد



Atlantis
Publications



تفریج بھس، قریبیت بھس

لٹا فلش پبلکیشنز ستح میں اسی مدد پر کہتوں ہے مالوں کی کم قیمت مالات کلاریے ہر
مرکے لاکن میں مطالعہ کر جنی کا فرع کیلئے کھٹاں ہے

ناول زمان کی زنجیر

نمبر اپنے جو شدید نمبر 769

پیشہ تاریق احمد

قیمت 240 روپے

جملہ حق کھوڑ ہیں

لٹا فلش پبلکیشنز کی علیحدگیری ایجاد کے بغیر اس کتاب کے کی خی کی تھی۔ کی جس کی ذخیرہ
کارکی جہاں سائنس دوبارہ مسائل کیا جاسکا ہوا یا کسی بھی قتل عینہ کی جسی نظریے سے تسلیم کی
ہے سمجھی۔ یہ کتاب اس شرط کے تحت فروخت کی گئی ہے کہ اس کا نامہ ہر کسی علیحدگی ایجاد کے مطہر تجارتی
سموں کے مکمل مستعار دوبارہ فروخت نہیں کیا جائے گا۔

ہر مسئلہ کے پورہ تم کی خلاف کتابت در راستے کیلئے صبغہ ملی چہربانی کریں۔

A-36، علاقہ اسلام آباد، ب-16، ب-17، س-1،
0300-2472208 025782773، 04228050
e-mail: atlantis@cyber.net.pk
www.inspector-jamshed-series.com



ایک دلایت

حضرت حدیث ابی داؤد رضی اللہ عنہ سے
روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،
اہل کرخا کے لیے خرچ کرو گے، اس پر جسمیں ضرور
اجد دیا جائے گا جی کہ اس (تھے پہلی) جو تم ابی
بھی کے مدد میں ڈالو گے۔

(بخاری، مسلم)



ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھیں کہ:

- ☆ یادوت ہمارت کا نہیں۔
- ☆ آپ کا سکول کا کل کا ہم نہیں کرتا۔
- ☆ آپ نے کسی کو قتل نہ نہیں کیا۔
- ☆ آپ کے ذمے گروں کے کل کا ہم نہیں کارکد۔
- اگر ان باؤں میں سے کلسا ایک بات بھی ہو تو ناول المردی میں روکھویں، پہلے ہمارت
اور دوسرا کا ہوں سے قارئ ہوئیں، پھر ناول پڑھیں۔

اشیاق احمد

Scanned and Uploaded By Nadeem

لے دے کر اسی کے بارے میں بات کی جائیتی ہے... بات کمی اور طرف کل گئی تو
ایسا نہیں ہو سکے گا... اور زاران کی زنجیر کی محدود رکھی گئی تو آپ خود کو ان کا قیدی
محosoں کریں گے... اب اس جنگت سے نچھے کا طریقہ صرف اور صرف یہ رہ جاتا ہے
کہ دو باتیں کا یہ سخن جوں کا توں چھوڑ دیا جائے اور آپ سے اجازت لے لی
جائے... لہذا اجازت!

دستخط

Scanned and Uploaded By Nadeem

دو باتیں

اللهم علیکم ورحمة الله وبرکاتہ ایہ زاران کی زنجیر کی دو باتیں ہیں، گویا اس نادل
میں آپ زاران کی زنجیر سے ملیں گے۔ یوں تو زنجیر بھی بڑی ہوتی ہے... میکن زارا
ن کی زنجیر کی گرفت اور زیادہ بڑی ہوتی ہے۔

نادل ذرا اور ہی ذہب کا ہے... آپ اس کے چکر میں آجائیں گے اور ایسے
آجائیں گے کہ چکر سے کل نہیں پائیں گے... نادل غیر محosoں طور پر آپ کو اپنی گرفت
میں لیتا چلا جائے گا... محosoں تو آپ کو اس وقت ہو گا جب نادل ختم ہونے کے قریب
ہو گا... اس وقت آپ کو ہتا چلے گا... آپ خود بھی زنجیر کی قید میں تھے... میں آپ کو
رہائی کی چلکی مبارک باد دے رہا ہوں... مجھی ہاں اور کیا۔

جیسے اللہ کا شتر ہے... فاروق احمد صاحب پھر سے فارم میں آگئے اور میرا یہ
خیال خام تاثبت ہو گیا کہ گزشتہ نادل میری زندگی کا آخری نادل ثابت ہونے کا امکان
ہے... وہ دو باتیں کافی جل کتی تھیں... شاید ان دو باتیں نے فاروق احمد صاحب کو
اپنی گرفت میں لے لیا ہو گا... مطلب یہ کہ انہیں زنجیر میں جکڑ لیا ہو گا... لیکن اب
فاروق احمد دو باتیں کی زنجیر میں جکڑ گئے... آج تو ہر کوئی زنجیر کا قیدی بنتا نظر آ رہا
ہے... اللہ اپنارحم کرے۔

اس سے کہن بہتر ہے کہ میں زنجیر کی اگر داں چھوڑ دوں اور کوئی اور بات شروع
کروں... سوال یہ ہے کہ کہا بات کی جائے... دو باتیں تو یہیں زاران کی زنجیر کی...

”اچھا اچھا... ادھر ادھر کی نہ ہاگو... ورنہ میں بھی نک
آ جاؤں گی۔“

”لیکن کس سے۔“

”یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم... فاروق عی اس پر روشنی ڈال
سکتا ہے۔“

”لوڈ شیڈنگ نے اس قابل کب چھوڑا ہے۔“ فاروق نے
سرو ڈھنڈ کر بھری۔

”کس قابل؟“ دونوں ایک ساتھ بولے۔

”روشنی ڈالنے کے قابل۔“ فاروق نے دانت نکالے۔

”دھت تیرے کی۔“ محمود نے جلا کر اپنی ران پر ہاتھ
مارا۔

”ہے کوئی نک... اب تک دونوں نے یہ نہیں پوچھا کہ
میں کس بات سے نک آ گیا ہوں۔“

”چلو فرزانہ... پوچھ لو بے چارے سے۔“ محمود بولا۔

”تو تم کیوں نہیں پوچھ لیتے۔“

”یہ کیا پوچھا پچایا جا رہا ہے۔“ نیکم جشید نے باور پی
خانے سے ہاک لگائی۔

”تھی صرف یہ کہ فاروق کس بات سے نک ہے...“

لوڈ شیڈنگ

”میں نک آ گیا ہوں۔“ فاروق نے جلا کر کہا۔

محمود اور فرزانہ نے اس کی طرف آگ کے اٹھا کر بھی نہ
دیکھا تو وہ اور زیادہ جلا اٹھا۔ اس نے قریب قریب جیج کر کہا:

”تم دونوں نے سنا نہیں... میں نک آ گیا ہوں۔“

”تم بھرے نہیں ہیں... کوئی محمود۔“

”میں صرف اپنے بارے میں یہ بات یقین سے کہہ سکا
ہوں۔“ محمود مسکرا یا۔

”کون کی بات؟“ فرزانہ نے اسے گھورا۔

”یہ کہ ہم بھرے نہیں ہیں۔“

”ہا ایں... تم... تم میرے کافوں کے بارے میں کچھ نہیں
جانتے۔“ فرزانہ جلا کر بولی۔

”بالکل جانتا ہوں... لیکن کیا خبر... میں اس لمحے کیا ہو
جائے۔“

”اوہ اچھا... ہائیں... کیا مطلب... تو کیا فاروق کسی بات سے نجک ہے۔“

”تھی ہاں اس کا بیان بھی ہے۔“ محمود نے جواب دیا۔

”اللہ نہ کرے... میرا الال کی بات سے نجک ہو... تھبڑو فاروق! میں ابھی آتی ہوں... بس میں اپنے کام سے فارغ ہونے والی ہوں۔“ وہ بولیں۔

”اوہوا! ای جان! ایسی کوئی بات نہیں... شہر کے اندر یہ میں دلیل نہ ہوں۔“ فاروق نے گمراہ کر کہا۔

”ہائیں ہائیں... فاروق یہ تم اپنی بات میں شہر کہاں سے لے آئے۔“

”محاورات کے دلیں سے۔“ فاروق مسکرایا۔

”لیکن میں قاضی کب ہوں... شہر کے اندر یہ میں تو بے چارے قاضی صاحبان دلبے ہوتے رہتے ہیں۔“ بیگم جشید نے بلند آواز میں کہا۔

”بات دو رجاتی نظر آتی ہے... کہیں ہم یونہی اعذیرے میں ٹاک ٹو ٹیاں نہ مارتے رہیں۔“

”ناج نہ جانے آگئن میڑھا۔“ فاروق نے منہ ہنایا۔

”ہے کوئی نجک... یہاں اس ضرب المثل کا کون سا موقع

تھا۔“ محمود جھلا اٹھا۔

”اب موقع اور محل کی حلاش میں کون لوہے کے چنے چائے۔“ فاروق مسکرایا۔

”دماغ چل گیا شاید۔“ فرزانہ کاٹ کھانے کے انداز میں بوی۔

”تو بہ ہے تم سے... فاروق جلدی بتاؤ... آخر تم کس بات سے نجک آگئے ہو۔“

”اس بات سے کہ ہم جب بھی سیر کا پروگرام بناتے ہیں... کوئی نہ کوئی کیس پلے پڑ جاتا ہے... آج تک ایسا نہیں ہوا کہ سیر کا پروگرام سیر کا ہی ثابت ہوا ہو۔“ فاروق نے منہ بنتے ہوئے کہا۔

”لیکن یہ بات تمہیں سوجھی کیوں... سوال تو یہ ہے... ہم کون سا سیر کا پروگرام بنارہے ہیں۔“

”ایسا کوئی پروگرام بننے دیر بھی کیا لگتی ہے... بلکہ تم کہو تو میں بنا کر دکھاؤں۔“ فاروق کی آواز میں شو خی آگئی۔

”حد ہو گئی... اب لگے زبردستی سیر کا پروگرام بنانے... وہ بھی بیشے بخائے۔“ فرزانہ نے جل کر کہا۔

”اگر سیر کا پروگرام بن جاتا ہے تو اس میں حرج بھی کیا ہے... یوں بھی ان دونوں دمber کی چھٹیاں ہیں... سردیاں عروج پر

بیں... تفریحی مقامات پر ان دونوں برف باری ہو رہی ہے... تو کیوں نہ برف گرنے کے مناظر دیکھیں۔"

"اوہ... ارے... ہائیں... یہ تو باتوں یا توں میں پروگرام ترتیب دے گیا... جنت ہے، کمال ہے... " محمود نے چونکنے کے اعماز میں کہا۔

"ایا جان فوراً انہا کر کر دیں گے۔"

"ہم ان سے کہیں گے ہی کیوں... پہلے بھی جو ترتیب اختیار کرتے رہے ہیں... اسی کو آزمائیں گے۔" قاروق پر کویا سیر کے پروگرام کا بھوت سوار تھا۔

"تمہارا مطلب ہے... انکل خان رحمان یا پروفیسر انکل کے ذریعے۔"

"ہاں بالکل۔"

"لیکن تم شاید بھول رہے ہو۔" فرزانہ نے منہ بٹایا۔

"چلو جو میں بھول رہا ہوں، تم یاد کراؤ... پھر جو تم بھول رہی ہوگی، میں یاد کراؤں گا۔" قاروق اب بھی اسی لمحے میں بات کر رہا تھا۔

"تم بھول رہے ہو کہ ہماری یہ ترتیب ایا جان ہر مرتبہ فوراً بجانپ لیتے ہیں... لہذا اس مرتبہ بھی ہم پکڑے جائیں گے۔" محمود

لے جلدی جلدی کہا۔

"چلو مانا... میں یہ بات کھوں رہا تھا... تم نے باد کراوی... اب تم سنوا تم یہ بھول رہے ہو کہ اس کے ہاد جود میر کا پروگرام میں کر رہتا ہے... ایا جان ہمیں محور تے ضرور ہیں، لیکن بات اس سے آگے نہیں بڑھ پاتی... پرانی سر سے اوپنجا نہیں ہو پاتا... پروفیسر انکل اور انکل خان رحمان سماں طے کو سنبھال لیتے ہیں۔"

"ہاں! اس میں تو خیر کوئی نہیں۔" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

"بس تو پھر میں انکل خان رحمان کو فون کرنے لگا ہوں۔"

"کوشش کرو... مذکور کھاؤ گے۔" فرزانہ مسکراتی۔

"گویا تم اس پروگرام میں بھرا ساتھ نہیں دوں گے، اپنی دیڑھائیت کی مسجد بناو گے۔"

"الیکی کوئی بات نہیں... اگر تم پروگرام طے کرانے میں کامیاب ہو گئے تو ہم دونوں ساتھ چانے میں تمہارا ساتھ دیں گے... لیکن ایک شرط ہے۔" محمود نے کہا۔

"اے کہتے ہیں... کچی پکائی اور وہ بھی دو دو۔" قاروق نے جعلے کے اعماز میں کہا۔

"نہیں خیر... اے تو یہ نہیں کہتے... یوں بھی محاورہ ہے،

چڑی اور دودو۔“

”یہ ہم محاوروں کے بیچے ہاتھ دھو کر کیوں پڑے گے۔“ فرزانہ نے خدھتا یا۔

”پہنچیں... پوچھ کرتا کیسی گے۔“ قاروق اڑا یا۔

”پوچھ کرتا کیسی گے ... لیکن کس سے۔“ فرزانہ نے خدھا ہو کر پوچھا۔

”محاورات سے اور کس سے۔“ محمود نے فرا اک۔

”حد ہو گئی... تو ہے تم سے۔“

”اور وہ تمہاری شرط کیا ہے۔“ فرزانہ نے پوچھا۔

”یہ کہ اپا جان بات کو بھاپ نہ سکیں... ہم ہر بار لاکھ کوش کر لے ہیں کہ وہ اندازہ نہ لگا پائیں ... لیکن پھر بھی وہ جان جائے ہیں۔“ محمود نے کہا۔

”ایسی ترکیب تو پھر فرزانہ ہی بتا سکتی ہے۔“

”اچھی بات ہے ... تم دونوں بھی کیا یاد کر دے گے ... بس مجھے چند منٹ وے دو سوچنے کے لیے۔“

”لے لو... کوئی بات نہیں۔“ قاروق نے جلدی سے کہا۔

اور پھر فرزانہ سوچ میں کم ہو گئی ... کافی دیر بعد اس نے سرا و پر اٹھایا اور بولی:

”کوئی محاورہ رہ تو نہیں گیا۔“ محمود بھنا کر بولا۔

”اس جملے کی حد عک تو یہ دو ہی کافی ہیں۔“ قاروق

”بہت مشکل ہے۔“

”کیا بہت مشکل ہے... اور پھر مشکلات سے ڈرنے والے ہم کب سے ہو گئے۔“ محمود نے بڑا اسمانہ بنایا۔

”معاملہ ہے ابا جان کا... وہ تو چلتی اڑیا کے پر گن لیتے ہیں۔“ فرزانہ نے خیالات میں کم انداز میں کہا۔
”کس کے پر گن لیتے ہیں؟“ محمود چونکا۔

”چلتی... مم... میرا مطلب ہے... اڑتی چڑیا کے۔“

”واقعی! بھی بات ہے ... لیکن ہم کیا کریں ... میں پروگرام ترتیب دینا ہے... اس طرح کہ ابا جان کو کافیوں کان پہاڑ چلے کر یہ پروگرام بنانے والے ہم ہیں... پھر ہم صرف پر کے لیے جائیں گے... کسی کیس کو گھاس نہیں ڈالیں گے... آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھیں گے... اس طرح انشاء اللہ ہم میر کر کے کامیابی سے لوٹیں گے۔“ محمود کہتا چلا گیا۔

”وہی تو میں کہہ رہا ہوں ... آخر ایسی کیا ترکیب کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے ... پینگ لگھنے نہ محفکلوی ... رنگ دی چوکھا آئے۔“ قاروق نے کہا۔

”کوئی محاورہ رہ تو نہیں گیا۔“ محمود بھنا کر بولا۔

”اس جملے کی حد عک تو یہ دو ہی کافی ہیں۔“ قاروق

سکردا ریا۔

”اس کی صرف ایک ترکیب ہے۔“ فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

”اور وہ کیا؟“ محمود بولا۔

”ہم پرو فیرائلی یا انکل خان رحمان کو خود نہ کہیں... اپنی حکمات اور سکنات کے ذریعے انہیں یا احس دلادیں کہ کسی مقام کی سیر کے لیے جانا چاہیے... اور پھر وہ اپنے طور پر ابا جان کو فون کریں... مطلب یہ کہ ہم جب اپنے منہ سے نہیں کہیں گے تو ابا جان یہ نہیں کہہ سکتیں گے کہ یہ سب کیا دھرا ہمارا ہے... بلکہ خود انکل خان رحمان اور پرو فیرائلی ہم سے کہیں کہ بھی سیر کا پروگرام ہنا ہے۔“

”بھلا دہ حکمات اور سکنات کیا ہو سکتی ہیں۔“ محمود نے حیران ہو کر کہا۔

”یہ سوچنا بھی فرزانہ کا کام ہے... ہمیں تو یہ جو کہے گی، کر گز دیں گے۔“

”میرا خیال ہے... ہم پہلے انکل خان رحمان کے ہاں چلے گئے... وال گل گئی تو تمیک... ورنہ پھر پرو فیرائلی کے دروازے پر دستک دیں گے۔“

”اوہو... ہم وہاں کہیں گے کیا۔“ محمود جلا اٹھا۔

”بس تم دیکھتے جاؤ... مجھ پر چھوڑ دو۔“

”چلو پھر بسم اللہ کرو۔“ محمود نے کندھے اچکائے۔

”لیکن خیال رہے... پروگرام تو بن یعنی جائے گا اور ہم جل بھی پڑیں گے... اصل معاملہ ہے... کسی کیس کا سامنا ہونے کا...“

”نہیں ہو گا... اس بار ہم کیس کو جھکائی دے جائیں گے۔“

”کیا کہہ رہی ہو... کیس کو جھکائی...“ فاروق نے چوک کر کہا۔

”لیکن افسوس! یہ کسی ناول کا نام نہیں ہو سکتا۔“ محمود سکرایا۔

”توبہ ہے تم سے۔“ فاروق نے اسے گھورا۔

آخر دہ اپنی والدہ کو بتا کر گھر سے لکل گئے... انکھڑ جشیدا بھی بھک کرنہیں آئے تھے جب کہ ان کے آنے کا وقت ہو چکا تھا... اور اسی لیے انہوں نے لٹکنے کی جلدی کی... کہ کہیں نہ رہوک لیے جائیں... جلد ہی وہ خان رحمان کے ہاں بھی گئے... لیکن خان رحمان گھر میں نہیں تھے... انہوں نے بڑے بڑے منہ بنائے اور تجربہ گاہ کا رخ کیا... پھر جو نبی انہوں نے اپنی آمد کی اطلاع اعمدہ بھجوائی... انہوں نے تیز تیز قدموں کی آواز سنی اور یہ دیکھ کر ان کے

رجان کی طرف دیکھا۔
 ”مگر سے پہنچے وقت پہلے مجھ سے بات کر لیتے تو امر جانے
 سے نجات۔“
 ”لیکن اب کیا ہو سکتا ہے... اب تو چیزیں کہتے چکے
 ہیں۔“ قاروق بولا۔
 ”ہائیں ہائیں... تمہیں ہو کیا گیا قاروق... مخادرے پر
 مخادرہ جلے جا رہے ہو۔“
 ”اے کہتے ہیں فرزانہ کا بخار ہو گیا ہے۔“ فرزانہ نے منہ بنا لیا۔
 ”اوہ! بہت انوس ہوا... اللہ رحم فرمائے۔“ پروفیر داؤد
 نے ہمدردی بھرے لہجے میں کہا، پھر زور سے چوک کر بولے:
 ”ہائیں! کیا کہا تم نے... گک... کون سا بخار۔“
 ”مخادرات کا بخار۔“
 ”اوہ... اچھا خیر... ہاں تو کیا بات ہو رہی تھی۔“
 ”آپ کہ رہے تھے... ہم بہت اچھے موقع پر آئے
 ہیں... آپ ہمیں یاد کر رہے تھے۔“
 ”بالکل ٹھیک... دراصل ہم کہیں سیر کا پروگرام ہمارے
 تھے... کرم آگئے۔“
 ”اب بات سمجھ میں آئی... لیکن بالکل کیا فائدہ۔“ قاروق

چھرے کھل اٹھے کہ پروفیر داؤد کے ساتھ گان رجان بھی ہلے آرہے
 تھے:
 ”اے کہتے ہیں چڑی اور دودو۔“ قاروق چکا۔
 ”ہائیں ہائیں... تم نے ہم دونوں کو چڑی اور ٹیاں کہا۔“
 پروفیر داؤد نے آنکھیں نکالیں۔
 ”جج... جی نہیں بالکل... زبان پھسل گئی... دراصل میں کہنا
 چاہتا تھا... اے کہتے ہیں... پانچوں کمی میں سر کڑا ہی میں۔“ قاروق
 نے گھبرا کر کہا۔
 ”خلاط... بالکل غلط... ہاں تم یہ کہہ سکتے تھے... ملی کے
 بھاگوں چینکا ڈوٹا۔“
 ”اب آپ ہمیں ملی ہانے پر چل گئے۔“ قاروق ہنسا۔
 ”اللہ سے ڈر و قاروق... ہم کوں ملتے... تلمیز ہمارے
 دشمن۔“
 ”شاید ہم اندر جانا بھول گئے۔“ فرزانہ نے یاد دلایا۔
 ”اوہ ہاں... ہاں آؤ آؤ... بھی... بہت ہی اچھے موقع
 پر آئے... ہم لوگوں کو یاد کر رہے تھے۔“ پروفیر پر جوش انداز
 میں بولے۔
 ”اور ہم پہلے آپ کی طرف لے تھے۔“ محمود نے گان

سے خادرے تھی محاورے لکل رہے ہیں اس کی زبان سے۔ ” محمود نے
تملائے ہوئے انداز میں کہا۔

” چلو نکالنے دو بھی... ہمارا کیا جاتا ہے۔ ”

” اب سوال یہ ہے کہ یہ کے لیے جانا کس طرف ہے۔ ”

” وادی فرقاب۔ ” خان رحمان نے اس کی طرف منہ کرتے
ہوئے کہا۔

” ارے باپ رے... ہم نے تو سنایا ہے... وہ بہت
خوفاک وادی ہے۔ ” قاروق کا پ کیا۔

” ہوا کرے... ہمیں کیا۔ ” پروفیر داؤڈ نے کندھے
اچکائے۔

” جیسے آپ کی مرضی... لیکن خوفاک وادی میں یہ کا کیا
ہڑہ آئے گا۔ ”

” بلا لیں اسے۔ ” خان رحمان بولے۔

” سگ... کے؟ ” پروفیر بولے۔

” جی... ہڑے کو... اور کے۔ ” خان رحمان بولے۔

” اوہ ہاں! نیک تو ہے... محمود، قاروق اور فرزانہ! تم
ہرے کی فکر چھوڑو... اور چلنے کی تیاری کرو۔ ”

” کیسے کریں... کیا آپ ہمیں ابا جان سے اجازت دلوا

نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

” کس بات کا کیا فائدہ... مجھے تو یہاں دور دور کی نقصان
کے کوئی آثار نظر نہیں آرہے۔ ” خان رحمان نے حیران ہو کر کہا۔

” اور مجھے بھی خان رحمان۔ ” پروفیر مکراۓ۔

” شریی پروفیر صاحب۔ ”

” آپ مجھے نہیں انکل۔ ”

” خیر... جو ہم نہیں سمجھے، وہ تم سمجھا دو۔ ”

” مطلب یہ ہے کہ جو نہیں ہم یہ کے لیے نہیں گے... کوئی
نہ کوئی کیس پلے پڑ جائے گا۔ ”

” بھی نہیں پلے گا... میں اور پروفیر صاحب روک لیں
گے... میرا مطلب ہے، معاملے کو سنبھال لیں گے۔ ”

” خیر... آپ کہتے ہیں تو کڑا ہی میں سردے دیتے ہیں...
مولوں کو بعد میں دیکھ لیں گے۔ ” قاروق نے جلدی سے منہ بنا کر کہا
، حالانکہ دل ہی دل میں وہ خوش ہو رہا تھا کہ بات خود بخود اس رخ پر
چل پڑی ہے... جس رخ پر وہ کسی نہ کسی طرح لانا چاہتے تھے۔

” ارے بھائی... اوکھی میں سرد بنا پڑے گا... کڑا ہی میں
نہیں... کونکہ مولوں کا تعلق اوکھی سے ہے... نہ کہ کڑا ہی سے۔ ”
” ایک تو ہم اس کی محاورہ پازی سے نکل آگئے ہیں... مج

دیں گے۔“

”اجازت کیا... ہم انہیں بھی ساتھ لے جائیں گے۔“ پروفیسر بولے۔

”لیکن شامت تو ہماری آئے گی... اب اجان یہ خیال کریں گے کہ سیر کا پروگرام ہم نے بنایا ہے...“

”ہم تم لوگوں کی صفائی دیں گے۔“ پروفیسر بولے۔

”اور جشید کو یقین کرتا ہو گا، کیونکہ ہم میں سے کوئی بھی جھوٹ نہیں بولا... یہ جشید اچھی طرح جانتے ہیں۔“

”چیزیں پڑھیں گے... اب اجان گمراہی کے ہوں گے... آپ اس سلسلے میں انہیں فون کریں گے... یا ہمارے ساتھ گمراہی چلیں گے۔“

”ابھی سفر کی تیاری تو کرنی ہو گی... لہذا فون پر بات کر لیتے ہیں۔“

”جیسے آپ کی مرضی۔“

اب خان رحمان نے نمبر ملا یا اور اسپکٹر جشید کی آواز سنھی بولے:

”یار جشید... ہم لوگ وادی فرقاب جاری ہے ہیں۔“

”اُرے بآپ رے... نا ہے، بہت خوفناک وادی ہے... راستے اس قدر دھور گزار ہیں کہ ہر قدم پر دل دھڑکتا ہے... ایسی جگہ

سیر کا کیا خاک حزہ آئے گا... ایسے میں جانتا ہوں... اس وقت محمود، فاروق اور فرزانہ یہاں ہیں اور سیر کا پروگرام یہ لے کر آئے ہیں۔“

”جشید! تم جانتے ہو، ہم جھوٹ نہیں بولتے۔“

”اس میں تو مجھے کوئی لٹک نہیں۔“ ان کی آواز گونجی۔

”تب پھر اجان لو جشید کہ ہم سیر کا پروگرام پہلے ہی بنارہے تھے... یعنی میں اور پروفیسر صاحب... ایسے میں محمود، فاروق اور فرزانہ بھی آگئے... اور ہم نے ان کے سامنے اپنا پروگرام رکھا... خود انہوں نے بھی کہا ہے کہ وادی فرقاب تو بہت خوفناک وادی ہے... ہم نے کہا... ہوتی رہے... ہم تو دیہیں جائیں گے... اب انہوں نے کہا کہ اب اجان سے بات کر لی جائے... انہوں نے یہ خدشہ بھی ظاہر کیا تھا کہ تم ان پر لٹک کر دے گے۔“

”وہ تو ختر میں اب بھی کر رہا ہوں۔“

”بائیں جشید! یہ... یہ تم نے کیا کہہ دیا... کیا میں نے جھوٹ بولا ہے۔“

”نہیں... تم نے جھوٹ نہیں بولا... اس کے باوجود تم انہیں نہیں جانتے۔“

”یہ تم نے ایک اور کہی... ہم اور انہیں نہیں جانیں گے... کمال کرتے ہو جشید۔“

”یہ کہ ہم ہر محاٹے میں... ہر حال میں تمہارے ساتھ
جاتے ہیں... تم اشارہ کرو اور ہم ساتھ نہ جائیں... کیا آج تک
ایسا ہوا ہے۔“

”بالکل نہیں ہوا... نہ آئندہ ہوگا... اور میں ساتھ چل رہا
ہوں... میں ان تینوں سے بھی بہت خوش ہوں... چلو اس بھانے
وادی فرقاب دیکھ لیں گے... آج تک اس کی خوفناکی کے بارے
میں سختے رہے ہیں... اب اس کی خوفناکی کو آنکھوں سے دیکھ لیں
گے۔“

”بالکل ٹھیک جشید۔“

”لیکن ابا جان اور انکلو... ہماری ایک شرط ہے... اور
بہت کڑی شرط ہے۔“

”شرط... کیسی شرط۔“

☆☆☆☆☆

”ہاں! کمال تو کرتا ہوں میں... جہاں تک میرا خیال
ہے... یہ تینوں بھائی سے میر کا پروگرام لے کر گئے تھے... اب یہ اور
بات ہے کہ تم پہلے ہی میر کے پروگرام پر بات کر رہے تھے... لہذا
انہیں اشارہ بھی کوئی بات نہیں کرنی پڑی... اب ان سے پوچھ لو...
میرا اعدازہ درست ہے یا نفلط۔“

خان رحمان اور پروفیسر داؤد نے ایک ساتھ ان کی
طرف دیکھا:

”کیوں بھی۔“

”ج... جی ہاں! سمجھی بات ہے۔“

”دیکھا... تم نے۔“ انپکڑ جشید زور سے بنے۔

”حد ہو گئی... یا رجشید... تم ہو کیا بلا۔“ پروفیسر بولے۔

”میں بلا نہیں... جشید ہوں۔“ انہوں نے فوراً کہا۔

”اچھا خیر... اب کچھ بھی ہو... ہم سیر پر جا رہے ہیں...
تینوں کو نہیں کوئے گے... نہ ناراض نظر وہ سے ان کی طرف دیکھو
گے... کیونکہ تم جانتے ہی ہو جشید۔“ بھائی تک کہتے کہتے خان
رحمان کا لہجہ جذباتی ہو گیا۔

”میں جانتا ہوں... لیکن کیا؟“

بولا۔

29.

”بالکل صحیح۔“ انپکڑ جمیشہ نہ پڑے۔

”ابا جان!“ فاروق نے نزہ لگوانے کے انداز میں کہا۔

”زمدہ باد...“ ان تینوں کے ساتھ خان رحمان اور پروفسر داؤن نے بھی کہا۔

”وسرے دن وہ مجھ سویرے نماز ادا کرنے کے بعد بالکل کٹرے ہوئے۔ خان رحمان کی بڑی گاڑی میں ضرورت کی تمام چیزوں رکھ لی گئی تھیں... کھانے پینے کی چیزوں کو گرم اور سختہ اکرنے کا انتظام کیا گیا تھا... گویا انہیں راستے میں کسی سے کسی تم کا بھی رابطہ کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ موسم بھی بہت خوش گوار تھا... ان دونوں ہلکی سردی شروع ہو چکی تھی... گویا نہ گری محسوس ہوتی تھی... نہ سردی... اور ایسا یعنی موسم حرے دار ہوتا ہے... ایک کھنثے کے سفر کے بعد وہ شہر کے سرے پر بھی گئے... اور اس سڑک کی طرف ہڑ گئے...“

”جس سیدھی وادیٰ فرقاء کی طرف جاتی تھی... لیکن سڑک پر چڑھے نہیں تھے کہ ایک درخت پر لگے بڑے سے بورڈ نے خان رحمان کی

”وجہ اپنی طرف کر لی... انہوں نے گاڑی کو اچانک بریک کا دیے۔“

”الکل... خبردار امحاطے کی خلاف ورزی نہ کریں۔“

”اسکی کوئی بات نہیں بھی... فکر نہ کرو...“

حوالی

”ہماری شرط یہ ہے کہ ہم صرف سیر کریں گے... کوئی کیس حل نہیں کریں گے... کوئی کیس نظر آجائے تو اس سے اسکیں چاکر گز رجا کیں گے... آنکھ اٹھا کر بھی اس کی طرف نہیں دیکھیں گے...“

”یہ تو میرے لیے ملکن نہیں... ہاں اس کی ایک صورت آگے چلے جائیں گے... انہیں ضرورت پڑے تو فون پر ہم سے رہنمائی لے لیں... یعنی ہم عملی طور پر کچھ نہیں کریں گے۔“

”بُلے! آپ کی یہ بات ہم منکور کیے لیتے ہیں۔“

”بس تو پھر ہم لوگ کل مجھ سویرے وادیٰ فرقاء کی طرف روانہ ہوں گے۔“ انپکڑ جمیشہ نے فیصلہ سنایا۔

”اور ہمارے پاس پچھر لگانے کا پورا سامان ہو گا... تاکہ ہمیں راستے میں کسی سے مدد لینے کی ضرورت نہ پڑے۔“ فاروق۔

”خیر خیر... اکل خان رحمان تو کاروباری آدمی ہیں نا... لہذا ان کی خاطر ہی سمجھی... اس بورڈ کو پڑھ لیتے ہیں۔“

”لیکن خبردار... یہ صرف ایک بورڈ ہے... اور اکل خان رحمان اس سے کاروباری فائدہ اٹھانا چاہیں تو اٹھاسکتے ہیں۔“

”تمیک ہے... کوئی اعتراض نہیں۔“

اس وقت تک خان رحمان بورڈ پر مکمل تحریر پڑھ چکے تھے... اب انہوں نے پڑھنا شروع کیا، لکھا تھا:

”یہاں سے صرف ایک کلو میٹر آگے پائیں طرف بہت بڑا رقبہ برائے فروخت ہے... رقبے کے کنارے مغلیہ دور کی ایک جو یہی بھی فروخت کی جائے گی... خواہش مند حضرات اس نمبر پر رابطہ کریں۔“

تحریر پڑھنے کے بعد خان رحمان بولے:

”کیا خیال ہے... اس تحریر سے کسی کیس کی نوٹوں نہیں آ رہی۔“ خان رحمان مسکرائے۔

”میں کسی کی بات نہیں کر رہا... منافع کی بات کر رہا ہوں۔“

”میں کسی کی بات نہیں کر رہا... منافع کی بات کر رہا ہوں۔“

”خیریہ!“ خان رحمان نے کہا اور موبائل پر وہ نمبر ملائے... جلدی ایک بزرگی آواز نالی دی:

”ہم یہ کے لیے لٹکے ہیں... طے یہ ہوا ہے کہ کسی کیس کے چکر میں نہیں پڑیں گے... لہذا آپ کا اس طرح رکنا... ہمارے لیے خطرے کی کھنثی ہے۔“

”میں نہیں... اسی کوئی بات نہیں... تم لوگ ذرا اس بورڈ پر ایک نظر ڈال لو... اور یہ بات جان لو کہ اس بورڈ سے خطرے کی باری بالکل نہیں آ رہی... ہاں منافع کی بوضو در نظر آ رہی ہے۔“ انہوں نے پر جوش انداز میں کہا۔

”منافع کی بوجو... کیا مطلب...“ قاروق اچھل پڑا۔

”کیا ہوا بھی... خیریہ ہے...“ پروفیسر داؤڈ نے بڑا سامنہ بنایا۔

”وہ... وہ... یعنی کہ اکل ایہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔“

”ہو سکتا ہو گا... لیکن ہم یہ کے لیے لٹکے ہیں۔“ فرزانہ جلا اٹھی۔

”میں کسی کی بات نہیں کر رہا... منافع کی بات کر رہا ہوں۔“

”اور ہم کوئی کاروباری لوگ نہیں ہیں۔“ محمود نے جلا کر کہا۔

”جی... فرمائیے... کون صاحب ہیں؟“

”میرا نام خان رحمان ہے... میں آپ کا یہ بورڈ پڑھ کر زکا ہوں... زمین خریدنا میرا شوق ہے... اگر آپ مجھ سے بات کرنا پسند کریں تو۔“

”بھلا میں کیوں نہ بات کروں گا... آپ تعریف لے آئیں... یہاں سے ایک کلو میٹر آگے آ کر باسم طرف ایک کچی سڑک نظر آئے گی... بس اس پر آ جائیں... میں حویلی کے دروازے پر کھڑا ہوں گا۔“

”بہت خوب! ہم آرہے ہیں۔“

”یہ کہہ کر انہوں نے ان کی طرف دیکھا اور بولے: ”ہاں! بھی... میں تم سے ایک بار پھر پوچھتا ہوں... کوئی اعتراض ہو تو ہم آگے بڑھ جاتے ہیں... لیکن ظاہر ہے... یہاں دور دور تک کسی کیس کا نام دنشان نہیں۔“

”یہی بات ہے اکل! آپ شوق سے ان سے مل لیں۔“

خان رحمان مسکرا دیے۔ جلدی وہ کچی سڑک پر اتر گئے... کچی سڑک درختوں کے ایک جنڈ پر ختم ہو گئی اور اس جنڈ کے دوسری طرف انہیں وہ میراں حویلی دکھائی دی... اس کا دروازہ کھلا تھا اور درختوں کے درمیان سے وہ دروازے پر کھڑے شخص کو دیکھ سکتے

تھے... وہ کافی لمبا چوڑا تھا... انہوں نے گاڑی دیں روک دی اور بدل اس کی طرف جل چلے... نزدیک ہنچ کر انہوں نے ایک ساتھ کہا:

”السلام علیکم۔“

”وعلیکم السلام... خوش آمدید۔“ اس نے آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا۔ پھر اس نے کہا:

”خوشی ہوئی... آپ لوگوں سے مل کر... آپ پہلے چائے چاپنے کریں گے یا میں پہلے زمین آپ کو دکھاؤں... دیے میرا نام داراب خان شمشیر ہے۔“

”ہم چائے دائے نہیں ہیں گے... بس آپ زمین دکھا دیں اور اسی کا نزدیک ہنادیں۔“

اس کی زمینیں حویلی کے سچھلی طرف تھیں... وہ انہیں اس طرف لے آیا... انہوں نے دیکھا... کہیت ہری بھری فضلوں والے تھے... فصلیں لہلہاری تھیں:

”حیرت ہے... یہ تو فصلیں تیار کھڑی ہیں... پہلے آپ فصلیں کٹا لیتے... پھر زمینیں بیچتے۔“ خان رحمان بولے۔

”ہاں! آپ تمیک کہتے ہیں... لیکن میں مجبور ہوں... مجھے فوری طور پر رقم کی ضرورت پیش آگئی ہے...“ اس نے سرد آہ

بجری۔

”خراں میں یہ زمین خریدنے کے لیے تیار ہوں... آپ
تائیں... ان ساری زمینوں کا رقمہ کتنا ہے... اور آپ ان کا کیا لیں
چاہئے ہیں۔“

”یہ میں ایکڑ زمین ہے... نہایت زرخیز اور میں یہ ایک
کروڑ میں فرودخت کرنا چاہتا ہوں۔“

”کیا مطلب؟“ ایکڑ جشید نے حیران ہو کر کہا۔
”جھبیں کس بات پر حیرت ہوئی جشید۔“ پروفیسر داؤدان
کی طرف ٹرے۔

”میرے خیال میں یہ صاحب بہت کم قیمت کا رہے
گیں... اتنی زمین اس سے کہلی زیادہ قیمت کی ہے، مجھے حیرت اسی
بات پر ہے...“ یہ کہہ کر وہ اس کی طرف ٹرے۔

”کیا آپ کو زمین کا گاہک نہیں مل رہا کہ اتنی کم قیمت پر
فرودخت کر رہے ہیں۔“

”ایک کروڑ کا گاہک ملتا اتنا آسان بھی نہیں ہوتا... اور
مجھے ایک کروڑ کی فوری ضرورت ہے۔“

”اور کیا میں پوچھ سکا ہوں کہ آپ کو ایک کروڑ کی اسی کیا
فوری ضرورت ہے۔“ ایکڑ جشید یوں۔

”آپ اس بات کو چھوڑیں... سو دے کی بات کریں۔“
اس نے بڑا اسمانہ بنایا۔

”ٹھیک ہے... مجھے یہ سو دا منکور ہے...“ خان رحمن
یوں۔

”کیا واقعی۔“

”اس میں مذاق کی کیا بات ہے۔“

”م... میرا مطلب ہے... آپ ایک کروڑ کی رقم فوری
طور پر ادا کریں گے۔“

”ہاں! جو طریقہ ہے... اس کے مطابق ادا کروں گا...
میرا مطلب ہے... جو نہیں رجیسٹری ہو گی، رقم ادا کردی جائے گی۔“

”ہوں! ٹھیک ہے... مجھے منکور ہے... آپ مجھ رجیسٹری
کرائیں۔“

”اوے کے... میں اپنے وکیل کو نہیں بلا لیتا ہوں...
کاغذات وغیرہ تیار کریں گے اور رقم کی ادا سنگی بھی دعی کریں گے۔“

”اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے... آپ میرے ہاں
مہمان ٹھہریں... اور وکیل کو بلا لیں... رقم بھی منکروا لیں۔“

”ٹھیک ہے... میں بھی کرتا ہوں۔“

اب وہ اس کے ساتھ واپس پڑئے... کونکہ اس کی رہائش

دہاں سے کچھ پیچے جھلک کے کنارے پر تھی... اس کے ساتھ چلتے وہ ایک بے اپنی طرز کی حویلی کے نزدیک پہنچے... دروازے پر دو دیہاتی سے آدمی کرسیوں پر بینٹے نظر آئے... وہ اسے دیکھتے ہی انٹھ کڑے ہوئے:

”دروازہ کھولو بھی۔“ اس نے زم لجھ میں کہا۔
”اچھا مالک۔“

دونوں نے مل کر دروازے پر خوب زور لگایا، تب وہ مکلا... اب وہ انہیں لیے اندر داخل ہوا... دونوں دیہاتیوں نے دروازہ بند کر دیا۔

”لگ... کہیں۔“ فاروق ہکلایا... آواز دبی دبی تھی۔
”لگ... کہیں... کیا۔“ محمود چونکا۔
”کہیں وہ شروع تو نہیں ہو رہا۔“ اس کے لجھ میں ہلکی سی مگبراہٹ تھی۔

”ابھی تو ایسی کوئی بات محسوس نہیں ہوئی۔“ فرزانہ نے انہار میں سر ہلاایا۔

”میرا خیال ہے...“ میں اس زمین کا خیال چھوڑ کر اپنی سیر کا پروگرام جاری رکھنا چاہیے۔“ فاروق فکر مند نظر آرہا تھا۔

”اکل! فاروق فکر مند ہے۔“ فرزانہ نے خان رحمان کے

کان میں کہا۔

”کہاں خیر تو ہے۔“ خان رحمان چوکے۔

”اس کا خیال ہے... ہم غیر محسوس طور پر کسی کیس میں الجھنے چلے ہیں۔“

”کیوں جشید... کیا تم بھی بھی محسوس کر رہے ہو۔“ خان رحمان ان کی طرف ٹرے۔

”میرا خیال نہ پوچھو خان رحمان... ان کے خیال سے گزارہ کرو۔“

”کیا کہا جشید... کس چیز سے گزارہ کروں۔“ خان رحمان کی بجائے پروفیسر داؤن نے بے خیالی کے عالم میں کہا۔

”فاروق کے خیال سے گزارہ کرنے کا مشورہ دے رہا ہوں۔“ انکہر جشید مکراۓ۔

”میں بھی تمہاری تائید کرتا ہوں...“ وہ فوراً بولے۔
”لیکن اکل... آپ کو پتا بھی ہے... آپ کس سلسلے میں تائید کر رہے ہیں۔“

”فاروق کے خیال سے گزارہ کرنے کے سلسلے میں...“ انہوں نے فوراً کہا۔

”اور یہ خیال کس سلسلے میں ہے۔“

”یہ تو مجھے معلوم نہیں۔“ انہوں نے کندھے اچکائے۔
”اس کا خیال ہے ... ہمیں سینیں سے لوٹ چلا
چکے... کونکہ شاید ہم غیر محسوس طور پر کسی کیس میں الجھ رہے
ہیں۔“

”اوہ اوہ...“ وہ بولے۔

”ہم تجربہ کر لیتے ہیں۔“ انپکڑ جمیش بولے۔

”وو... وہ کیسے؟“
”ابھی بتاتا ہوں۔“

یہ کہہ کر وہ داراب خان شمشیر کی طرف متوجہ ہوئے۔ وہ
ان سے چھدقہم آگے چل رہا تھا۔ حوتی کے پیدوں دروازے میں
داخل ہوتے ہی ایک پختہ سڑک تھی... اس کے دوسرے سرے پر
حوتی کا اندر وہ نظر آرہا تھا... ابھی وہ سڑک کے درمیان
ملتے... انہوں نے قدرے بلند آواز میں کہا:

”ذرستے۔“

داراب خان شمشیر چوک کر ہوا:

”آپ نے مجھ سے کچھ کہا؟“

”خدا! ہم ذرا دیر کے لیے باہر جانا چاہتے ہیں۔“
”کوئی خرقوہ ہے۔“ اس کے لبھ میں حیرت تھی۔

”بس! ایک ضرورت پیش آگئی۔“

”ٹھیک ہے... جیسے۔“

یہ کہتے ہوئے وہ واپس ہوا... اس کا زخم صدر
دروازے کی طرف ہو گیا۔ اب وہ سب باہر آگئے... انپکڑ جمیش
داراب خان کی طرف ہڑے:

”در اصل ہم لوگ وادی فرقہ ب جارہے ہیں... اور صرف
سیر کی غرض سے جارہے ہیں... ہمارے ان چھوٹے ساتھیوں نے سیر
کے درمیان میں اس خرید و فروخت والے محاٹے کو پسند نہیں کیا... یہ
چاہئے ہیں، ہم اپنا یہ پروگرام صرف یہ رکھیں... تو کوئی نہ ہم
واپسی پر آپ سے زمین کا سودا کر لیں۔“

”کوئی حرج نہیں... لیکن...“ اس نے کہا۔

”لیکن کیا۔“ وہ بول پڑے۔

”اگر اس دوران مجھے کوئی گاہک مل گیا اور اس سے میرا
سودا ملن گیا تو میں آزاد ہوں گا... یعنی آپ کا پابند نہیں رہوں گا۔“

”یہ تو خراصوی بات ہے... لیکن...“ خان رحمان بھی
کہتے کہتے ڈک کر گئے۔

”اب آپ ایک عدو لیکن لے آئے۔“ فاروق نے مدد
کیا۔

خان رحمان مگر ادیے، پھر بولے:

”لیکن اگر میں اس سے زیادہ رقم لگا دوں تو؟“

”اس صورت میں زمین آپ کی ہوگی۔“

”تب آپ میرا موبائل نمبر فوٹ کر لیں... اگر آپ کو کوئی گاہک مل جائے تو آپ وہ رقم مجھے بتا دیجیے گا... جو وہ لگائے... اس کے بعد میں آپ کو ہتا دوں گا کہ میں اس سے زیادہ رقم دے سکتا ہوں یا نہیں۔“

”بالکل صحیح ہے۔“

”اور اگر کوئی گاہک آپ کو نہ لاؤ ہم واہی پر آپ سے سودا کریں گے... یہاں کی زمین کا رہت معلوم کریں گے... پھر آپ سے بات ٹلے ہو گئی تو آپ کو رقم ادا کر دیں گے۔“

”صحیح ہے۔“

موبائل نمبر فوٹ کر کے وہ اپنی گاڑی میں سوار ہو گئے... اس وقت فاروق کے چہرے پر رونق آگئی:

”ہاں فاروق اب کیا کہتے ہو... اسی وقت سودا کر لیں یا یہ سے واہی پر۔“ خان رحمان بولے۔

”محبی اکھل... یہ سے واہی پر۔“ فاروق نے فوراً کہا۔

”صحیح ہے... یونہی سمجھی... اس بارہم یہ رکے دوران کیس

کا کوئی خطرہ نہیں لیں گے... اگر کہیں کوئی کیس آڑے آٹا نظر آیا، تب بھی اسے واپسی پر ہی دیکھیں گے۔“

”شکریہ اکھل۔“

اور پھر وہ آگے روانہ ہو گئے:

”اس نے ہمیں روکنے کی کوئی کوشش نہیں کی... اس سے ثابت ہوا کہ وہ کوئی چکر چلانا نہیں چاہتا تھا۔“ پر دیفر داؤ نے کہا۔

”بالکل بھی بات ہے اکھل۔“ محمود نے پر جوش انداز میں

کہا۔

”جشید... تمہارا کیا خیال ہے۔“

”وہی جو آپ کا۔“ اس نے فوراً کہا۔

”چلو اچھا ہے... اس بارہم یہ رکھی گزریں گے... انشاء اللہ!“ پر دیفر داؤ نے خوش ہو کر کہا۔

اور پھر وہ وادیٰ فرقاب بھی گئے... وہاں کے حسین

شماروں نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا۔ ایک ہفتہ تک انہوں نے

خوب جی بھر کر یہ رکی... خوب لطف انہوں نے اور کوئی کیس ان کے پلے نہ پڑا... اس طرح آخر کار فاروق اپے مقصد میں کامیاب

ہوا... تویں دن انہوں نے واہی کا سفر شروع کیا۔ ادھر اس دوران دار اب خان شیر نے ان سے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا جس کا مطلب یہ

تھا کہ اسے ان کے علاوہ ابھی تک کوئی گاہک نہیں ملا تھا... لہذا اپنی کاسز شروع کرتے ہوئے خان رحمن کو امید ہو چلی تھی کہ زمین وہی خریدیں گے... اور پھر وہ داراب خان کی حوتی کے سامنے بیٹھے گئے...

ایک کمرے کا دروازہ تھا۔ دیہاتی نے اس دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

”یہ ڈرائیک روم کا دروازہ ہے... آپ اندر بیٹھیں... ماں ابھی آتے ہیں۔“ یہ کہہ کر وہ پھر بیرونی دروازے کی طرف ہڑ کیا۔

اب وہ ڈرائیک روم میں داخل ہوئے... ڈرائیک روم بہت کشادہ تھا... دیواروں پر مغل بادشاہوں کی تصاویر بنائی گئی تھیں... دروازے کے سامنے والی دیوار پر ایک خوب صورت نوجوانی تصویر فرم کر اکے لگائی گئی تھی... یہ کیمرے کی تصویر تھی... اور ہر سائز میں نکلا کر لگائی گئی تھی... انپکڑ جمیل کی نظریں اس تصویر پر جنم کر رہے تھیں۔ کمرے میں صوفے اور کرسیاں پرانی طرز کے تھے... یوں لگتا تھا جیسے صدیوں پرانے ہوں۔ اُن پر شاید ہاتھی دانت کا کام کیا گیا تھا... باقی لوگ کرسیوں اور صوفوں پر بیٹھے گئے... انپکڑ جمیل البتہ کھڑے رہے گئے... وہ بستور اس تصویر کی طرف دیکھ رہے تھے...

آخر فرزند سے رہانہ گیا:

”اس تصویر میں کوئی خاص بات ہے شاید۔“

وہ اُس کی آوازن کر چکے... پھر کھوئے کھوئے انداز میں بولے:

”دروازے پر وہی دنوں دیہاتی بیٹھے نظر آئے۔ انہیں پہچان کر ان کے چہروں پر اطمینان نظر آیا: آتے دیکھ کر وہ کھڑے ہو گئے... پہلے وہ چونکے سے نظر آئے پھر ”اوہ! آپ لوگ ہیں؟“ ان میں سے ایک کے منے لگا۔

”مگر ہاں! یہ تو یہ ہم لوگ ہی۔“ قاروق بولا۔

”مریانی کر کے داراب خان کو ہماری آمد کی اطلاع دیں۔“

”جاؤ جاؤ گو۔“ دیکھنے اپنے ساتھی سے لہا۔ وہ کچھ کہے بغیر اندر چلا گیا... جلد ہی اس کی واپسی ہوئی:

”آئیے جتاب!“ اس نے کہا۔

”ہاں کے ساتھ اندر داخل ہوئے اور اسی سڑک پر پڑے آخر اندر وہی دروازے بیٹھے گئے... اس کے باہمی طرف

”ہاں فرزانہ... میرے خیال میں یہ تصویر خاص
ہے... مجھے ایسا لگتا ہے... جیسے میں نے اس شخص کو کہیں دیکھا ہے۔“
”اوہ۔“ ان کے منہ سے لکلا۔

میں اُسی لمحے قدموں کی آواز سنائی دی:



سرخا

داراب خان شیر اندر داخل ہوا... اُس کے چہرے

پر نظر پڑتے ہی انہوں نے جان لیا کہ وہ حدود بجے پریشان ہے:

”تو آپ اُگ آگئے۔“ اس کے منہ سے لکلا۔

”خیال تو بھی ہے۔“ فاروق نے فوراً کہا۔

اس نے ایک نظر فاروق پر ڈالی پھر بولا:

”جب پھر کیا پروگرام ہے۔“

”زمین خریدنے کا پروگرام ہے۔“

”ساتھ میں یہ جو بیلی بھی خریدنا ہوگی۔“

”ٹھیک ہے۔“

جب پھر میں آپ کو زمین دکھادیتا ہوں... جو بیلی کو بھی آپ

لوگ اچھی طرح دیکھے بھال لیں... کیا خیال ہے... پہلے زمینیں
دیکھیں گے یا جو بیلی۔“

”پہلے جو بیلی... اور جو بیلی سے پہلے ڈرائیک روم میں لگی اس

تصویر کے بارے میں جانتا چاہیں گے۔" انکر جشید نے کھرے والی تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ... یہ میرے بڑے بھائی ہیں... ایک مدت سے غائب ہیں۔"

"غائب ہیں... کیا مطلب؟"

"آج سے دس سال پہلے یہ اچانک غائب ہو گئے تھے... آج تک ان کا کوئی سراغ نہیں ملا۔"

"شروع ہو گیا کیس... لیکن خیر... اللہ کا شکر... ہم یہ کام مکمل کر چکے ہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"کیا مطلب؟ وہ چونکا۔"

"کیا آپ نے ان کی گشتنگ کی رپورٹ درج کروائی تھی؟"

"ہاں کیوں نہیں... بھلا میں رپورٹ کیوں درج نہ کراتا۔"

"اور کیا وہ بھی میں... آپ کے ساتھ رہتے تھے۔"

"مجی نہیں وہ شہر میں رہتے تھے... شہر میں ان کا اپنا کار دبار قا۔"

"اوران کے بیوی بچے۔"

"وہ بھی دیہیں رہتے ہیں۔"

"اور آپ کے بیوی بچے۔"

"وہ بھی ہیں میرے ساتھ... لیکن اب میں یہ حوصلی اور زمین فروخت کر کے شہر جانا چاہتا ہوں۔"

"آپ کے بھائی کا کیا نام ہے۔"

"یہ آپ زمین اور حوصلی خریدتے خریدتے میرے بڑے بھائی کے بیچے کیوں پڑ گئے۔ اس نے نہ اسامنہ بٹایا۔"

"اس کی وجہ ہے۔" انکر جشید مکارے۔

"اور وہ وجہ کیا ہے۔" اس کے لبھ میں حیرت تھی۔

"میں نے ان صاحب کو شہر میں کہیں دیکھا ہے۔"

"گک... کیا... واقعی۔" مارے حیرت کے ان کے منہ کے لکڑا۔

انکر جشید اس وقت اس کی طرف بہت غور سے دیکھ رہے تھے، انہیں بہت حیرت ہوئی کیونکہ بھائی کو تو خوش ہونا چاہیے تھا، وہ صرف حیران ہوا تھا... جلدی سے بولے:

"ہاں! میرا خیال ہے... مجھے یاد آجائے گا کہ میں نے انہیں کہاں دیکھا ہے... محمود تم ذرا اپنے کھرے میں یہ تصویر محفوظ کر لو۔"

کری۔

"مجی اچھا۔" اس نے کہا اور اپنے کمرے میں تصور بخوبی

"آپ آپہا موبائل نمبر فوٹ کروادیں... جو نبی مجھے
یاد آیا... میں آپ کو فون کر دیں گا۔"

"مجی اچھا۔" یہ کہہ کر اس نے موبائل نمبر فوٹ کروادیا۔

"پہلے ہم ہولی دیکھیں گے... آپ اپنے بیوی بچوں کو
ڈرائیک روم میں لے آئیں... ہم اس دروازے سے باہر کل کر
اندر ونی دروازے پر آ جاتے ہیں۔ جب وہ اندر آ جائیں تو آپ
ہمارے لیے بیر ونی دروازہ کھول دیجیے گا۔"

"اچھی بات ہے۔"

وہ کمرے سے کل آئے...

"یہ کیا جمیشید ییر کے لیے جاتے ہوئے نہ سکی... آئے
ہوئے تو ہم کیس میں الجھی گئے... خان رحمان بوتے۔"

"بھلی بات تو یہ کہ ہم ییر کر چکے... ان بخوں کی شرط ختم ہو
چکی... دوسری بات ہم یہاں زمین اور ہولی خریدنے کے لیے آئے
ہیں... کوئی کیس حل کرنے نہیں آئے۔ سو دے کی بات کر کے ہم
سیدھے اپنے گمراہیں گئے... غرمند ہونے کی کوئی ضرورت
نہیں۔"

"مگر یہ ابا جان۔" قاروق خوش ہو گیا۔
الپکڑ جمیشید مکرا دیے... اس نے ہر یہ کہا:
"ویسے بہتر ہو گا کہ آپ اس تصور کو ذہن سے کال دیں۔"
"مجی تو مجھ سے نہیں ہوتا... اور یہ تصور تو میرے دل میں
قش ہو گئی ہے۔"

"اوہ ہو اچھا... کمال ہے۔" قاروق نے حیرت زدہ لمحے
میں کہا۔

اُسی وقت دروازہ کھل گیا اور داراب خان کی صورت

نظر آئی:

"آئیے جناب۔"

وہ اُس کے ساتھ اندر واصل ہوئے۔ اب وہ ایک بہت
کشادہ سجن میں تھے۔ اس سجن کے چاروں طرف کمرے تھے۔ کردار
کے اوپر بر جیاں بنائی گئی تھی... بیر ونی دیوار کی قلعہ کی مانند تھی۔
گویا ہولی کیا تھی... ایک چھوٹا سے قلعہ تھا۔ ایک، ایک کرہ دیکھتے
ہوئے آئے گے بڑھتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ جہاں سے چلے تھے وہیں
آگئے... اب داراب خان انہیں چلت پر لے گئے... چلت بھی
صرف کردار کے اوپر تھی۔ سجن والی جگہ غالی تھی۔ برجیوں پر پہرے
داروں یا حملہ آوروں سے بچاؤ کرنے والوں کے لیے کٹرے ہونے

کی جگہ بنا لی گئی تھی... مطلب یہ کہ چاروں طرف سے حوالی پر حملہ کرنا آسان کام نہیں تھا۔ یہ سب کچھ دیکھ کر خان رحمان نے کہا:

”حوالی سے زیادہ ہم اسے ایک قلعہ کہیں گے۔ اس میں فوج کے دو تین دستے سامنے ہیں اور باہر سے حملہ کرنے والوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جاسکتا ہے... اس لحاظ سے یہ حوالی بہت خوب ہے اور میں زمین کے ساتھ اسے خریدنے کے لیے بھی تیار ہوں... اب زرا ہو جائے زمینوں کی سیر۔“

”جی ہاں! کوئی نہیں...“

”وہ انہیں باہر لے آیا... اب ان کا رُخ حوالی کے پچھلی طرف تھا۔ انہوں نے دیکھا... حوالی بہت اونچائی پر تھی اور اس سے ملے ہوئے کھیت بہت نیب تھے...“

”یہ تمام کھیت... جن پر آپ کو لہلاتی فصلیں نظر آری ہیں... میرے ہیں اور یہ 20 ایکڑ ہیں... آپ دیکھ لیں... مجھے ان کا کم از کم ایک کروڑ روپے لینا ہے... اس سے کم میں نہیں... کیونکہ...“ وہ کہتے کہتے رک گیا... کیونکہ کے بعد وہ ذرا چوک سا گیا تھا... جیسے اچانک کوئی خیال آگیا ہو۔

”کیونکہ کیا؟“ ان پکڑ جشید نے قدرے حرمان ہو کر کہا۔

”کیونکہ کچھ نہیں۔“ اس نے جواب دیا۔

”یہ شودا میرے دکیل کے ذریعے ہو گا... وہ زمین اور حوالی کے گاہقات چک کریں گے... کیونکہ ہو سکتا ہے... اس زمین اور حوالی میں کوئی اور بھی حصے دار ہو... آج کل زمین کی خرید و فروخت کے معاملات میں بہت زیادہ ہیرا ہمہری ہو رہی ہے۔“

”ہوں... نیک ہے... لیکن مجھے ذرا جلدی ہے۔“ اس کے بعد میں بھر اہٹ تھی۔

”کل ہی میرا دکیل یہ تمام کام کروادے گا اور ادا میگی بھی آپ کو کل ہی ہو جائے گی...“

”بہت بہت شکر یہ۔“

”اب صرف یہ بتاویں کہ آپ نے اپنے بھائی کی گمشدگی کی رپورٹ کوں سے تھانے میں درج کروائی تھی۔“

”یہ علاقہ شہر کے بالکل سرے کا ہے... اس سے تھانہ کاشی بن گکا ہے اور اسی تھانے میں میں نے اپنے بڑے بھائی کی گمشدگی کی رپورٹ درج کروائی تھی... آج سے دس سال پہلے نوجون تھی اس دن۔“

محمود نے نام اور تاریخ نوٹ بک میں لکھ لی۔ اس کے بعد ان پکڑ جشید نے کہا:

”اب ہم چلتے ہیں۔“

کوئی ایسی وسی بات ہو گئی تو ہم آپ کو کیسے ٹلاش کریں گے۔“

”اوہ ہاں! نجیک تو ہے... ۶۴ لگہ لیں ۸۲ نو ماؤنٹ
ماؤنٹ۔“

”مشکر یہ۔“ انہوں نے کہا اور محمود نے یہ پہا بھی لکھ لیا۔ اس
کے بعد وہ دہاں سے روانہ ہوئے۔

”کیا آپ کوئی عکس محسوس کر رہے ہیں۔“ فرزانہ نے ان
کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”زمیون کی خرید و فروخت کے سلسلے میں نہیں... اس کے
بڑے بھائی کے سلسلے میں میری چشمی جس مجھے پریشان کر رہی
ہے... میں نے اس شخص کو کہیں دیکھا ہے... اور انشاء اللہ میں یاد کر
لوں کا۔“

”لیکن اس سے کیا ہو جائے گا... وہ تو خود یہ کہتا ہے کہ دس
سال پہلے اس کا بھائی گم ہو گیا تھا...“

”پاں! اس کا کہنا بھی ہے... ہم فرض کر لیتے ہیں... وہ
واقعی گم ہو گیا تھا... سوال تو یہ ہے کہ میں نے اسے کہاں دیکھا
ہے... اور اگر میں نے اسے کہیں دیکھا ہے تو پھر وہ شہر میں کہیں موجود
ہے... اس صورت میں وہ گشیدہ تو نہ ہوا...“

”یہ تو واقعی ایک عجیب بات ہو گئی۔“ محمود نے فوراً کہا۔

”نجیک ہے... آپ لوگوں کا شریرو۔“

”چلتے چلتے... اگر آپ اجازت دیں تو ایک بات پوچھتا
چاہتا ہوں۔“

”پوچھیجے۔“ اس نے قدرے پر پیشانی ہو کر کہا۔

”آپ ضرورت سے کچھ زیادہ عی پریشان ہیں... اگرچہ
آپ اب تک اپنی پریشانی کو چھپانے کی بھروسہ کوشش کرتے رہے
ہیں اور اس میں بڑی حد تک کامیاب بھی رہے ہیں، لیکن یہ بات کم از
کم مجھ سے چھپی نہیں رہی۔“

”آپ کا خیال غلط ہے... میں قطعاً پریشان نہیں ہوں۔“

”اوہ اچھا... تب تو نجیک ہے... اچھا یہ خوبی اور زمین
فروخت کر کے آپ کہاں جانا چاہتے ہیں۔“

”بڑے بھائی کی گشتوں کے بعد اب بھاں دل نہیں
لگتا... لہذا شہر میں رہوں گا... فی الحال کراچی کی ایک جگہ لی
ہے... دہاں رہ کر کوئی جگہ خریدنے کی کوشش کر دیں گا۔“

”جو جگہ آپ نے لی ہے... اس کا پہا لکھوادیں۔“ انکے
جھیلنے کہا۔

”لیکن میں...“

”بھی ہم آپ سے ایک بڑی جگہ خرید رہے ہیں... مل کو

”عجیب بات سے زیادہ یہ بات آئیں مجھے مار دالی ہو گئی۔
ہم زبردست ایک کیس مول لے رہے ہیں۔“ قاروق نے جلنے کے لئے

”مول تو خرخیں... مفت میں مل رہا ہے۔“ محمود مسکرا یا۔

”اور میں کہتا ہوں ... یہ مرے سے کیس بناتا ہی نہیں
... دونوں بھائیوں میں جھڑا ہوا ہو گا... لہذا بڑا بھائی ناراض ہو کر گمرا
سے چلا گیا اور پھر نوٹ کرنے آیا... ان حالات میں وہ اگر آپ کو شہر
میں کہیں نظر آ جاتا ہے تو اس میں عجیب بات کیا ہے۔“ خان رحمان
نے بھی بحث میں حصہ لیا۔

”تم سمجھنے نہیں خان رحمان ...“ اسکرچ جسید مسکرا یا۔

”ختم سمجھا دو... جو میں نہیں سمجھا۔“ خان رحمان نے براسا
منہ ہٹایا۔

”ہم لوگوں کا تعلق ... مرف اور صرف جرام کے
ہے... یعنی جرام کی دنیا سے۔ اب اگر میں نے اس کے بھائی کو کہیں
دیکھ لیا ہے تو جرام کے سلسلے میں ہی کہیں دیکھا ہو گا...“

”اوہ۔“ ان سب کے منہ سے لٹلا... اب وہ سمجھے کہ وہ کیا
کہنا چاہتے ہیں... پروفیسر داؤن نے کہا۔

”پھر بھی اس کا مطلب یہ نہیں بنتا کہ اس معاملے میں کوئی

چرم ہوا ہے یا یہ ہمارے خلاف کوئی سازش ہے... کیونکہ دیکھوئے
... سیر کا پروگرام خالص ہم نے بنایا ہے... اس میں باہر کا کوئی آدمی
شریک نہیں ہوا۔“

”ہاں خان رحمان... تم تمیک کہتے ہو۔“

اور پھر وہ شہری حدود میں داخل ہو گئے... اس وقت
انسکرچ جسید نے کہا:

”میں تو ذرا پہلے دفتر جاؤں گا... آپ لوگ گمراہیں...“
”جنی نہیں۔“ وہ ایک ساتھ بولے۔

”کیا کہا... جنی نہیں... اس جنی نہیں کا کیا مطلب ہے۔“
انسکرچ جسید نے حیران ہو کر کہا۔

”پچھوئیں... ہم گمراہیں جائیں گے... وہاں جائیں گے
چہاں آپ جا رہے ہیں... یعنی دفتر۔“ پروفیسر بولے۔

”لیکن آپ لوگ وہاں جا کر کیا کریں گے۔“

”یہ دیکھیں گے کہ تم وہاں کس لیے جا رہے ہو۔“ خان
رحمان مسکرا یا۔

جواب میں اسکرچ جسید بھی مسکرا دیے... وہ دفتر میں
داخل ہوئے تو اسکرچ اکرام اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ شاید اسے ان کے
آنے کی ایک فیصلہ بھی امید نہیں تھی... ان کی چشمی کے ابھی دو دن

”خیر تو ہے اکرام... مگر اکوں کھے۔“
 ”آپ کو اچانک دیکھ کر... اور بھاں آپ کی آمد کا مطلب
 ہے کوئی کیس پلے پڑ گیا ہے؟“
 ”ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا... ہم تمہیں ایک تصویر دکھانا چاہئے
 میں۔“

”میں سمجھ گیا... دکھائیے۔“ وہ مسکرا یا۔

الپکڑ جمیل نے محمود کو اشارہ کیا... داراب خان شمشیر
 کے بھائی سرخاب خان کی تصویری کیمرے میں محمود نے محفوظ کی
 تھی... اُنے کیمرہ آن کیا اور تصویری اکرام کے آگے کر دی:
 ”کیلمت نے اسے کہیں دیکھا ہے اکرام۔“

اکرام نے نظریں تصویری پر جادیں... کئی منٹ تک وہ
 اسے غور سے دیکھا رہا... آخر اس کے چہرے پر حیرت کی بجلیاں
 چمک اٹھیں... وہ پوکارا اٹھا:
 ”سر... سر... یہ... یہ سرخا ہے... سرخا۔“



پرانی خبر

”سرخا...“ آن کے منہ سے لکلا۔
 ساتھ ہی فرزانہ کے منہ سے لکلا:
 ”اوہو... داراب خان کے بڑے بھائی کا نام سرخاب
 خان شمشیری تو ہے... اور سرخاب نام بگز کر سرخا ہی بتتا ہے... گویا
 دس سال پہلے چھوٹے بھائی کو چھوڑ کر غائب ہونے والا شخص اُب
 سرخاب نہیں... سرخا ہے۔“ محمود نے جلدی جلدی کہا۔
 ”ہاں محمود... ضرور ایسا ہی ہے... لیکن پہلے ہم اکرام کی
 بات سنیں گے... ہاں اکرام... تم سرخا کے بارے میں کیا جانتے
 ہوو۔“

”ایک بہت ہی خاموش مجرم جو کچھ دست پہلے مارا جا چکا ہے
 ... کسی نے اسے ہلاک کر دیا تھا... اس کی لاش ملی تھی، اخبارات
 میں لاش کی تصاویر شائع ہوئی تھیں... آپ نے بھی غالباً اس کی
 تصاویر دیکھی ہوں گی...“

”اوہ ہاں! اب یاد آیا... اس کا مطلب تو پھر یہ ہوا کہ بے
چارے دار اب خان کو معلوم ہی نہیں کہ اس کا بڑا بھائی اب اس دنیا
میں نہیں رہا... اور جب وہ اس دنیا میں تھا تو ایک مجرم کی زندگی گزار
رہا تھا... گویا اپنے بھائی سے جدا ہو کر وہ شہر چلا آیا اور جرائم کی
دنیا میں پھنس گیا...“

”بالکل یہی بات ہے سر۔“
”لیکن ابا جان! یہ باتیں دار اب خان کو کیوں معلوم نہیں
ہیں۔“

”ہو سکتا ہے... اسے معلوم ہوں... اور ہم سے ذکر نہ کیا ہو
خیر... رجڑی وغیرہ سے فارغ ہونے دو... پھر اسے یہ بات بتا
دیں گے۔“ الپکٹر جمیش نے کہا۔

اس کے بعد وہ گھر کی طرف روانہ ہوئے... دروازے
پر دستک کے جواب میں یہیم جمیش نے دروازہ کھولا... اور بولیں:
”السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔“

”وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ...“

”اللہ کا لاکھ لاکھ ٹھکر ہے... آپ لوگ آجھے...“

”اور وہ بھوپیغم... ہم نے آج کے دن ہی واپس آنے کا
 وعدہ کیا تھا۔“ الپکٹر جمیش مسکرائے۔

”مجی ہاں! بالکل... اسی لیے میں نے آپ سب کے لیے
طرح طرح کی چیزیں تیار کی ہیں۔“

”بھی وہ... بھا بھی ہوں تو آپ جیسی۔“ پروفیسر داؤد
خوش ہو کر بولے... ان کی بات سن کر ان کی بھوک اور چمک اٹھی
تھی۔ کھانے سے انصاف کرنے کے بعد ان پکٹر جمیش نے کہا:

”مجھے لا بھری ہی میں اخبارات کی کچھ پرانی قائمیں دیکھنا
ہیں... اس لیے آپ آرام کریں۔“

”آرام کیسا... ہم بھی ساتھ چلتے ہیں... تمہارا ہاتھ مٹا سکیں
گے۔“ خان رحمن نے کہا۔

”اور غالباً آپ دار اب خان کے بھائی سرخاب خان کے
سلطے میں اخبارات چھاننا چاہئے ہیں۔“

”بالکل ٹھیک ہے۔“ وہ مسکرائے۔

اُب وہ سب کے سب لا بھری ہی میں جانے کے لیے
الٹھکڑے ہوئے۔ یہ دیکھ کر یہیم جمیش کامنہ بن گیا... ان کا ہاتھ ہوا منہ
و دیکھ کر وہ نفس پڑے... جلد ہی وہ قائمین پر آلتی پالتی مارے اخبارات
کی قائموں میں گم ہو چکے تھے... آخر فرزانہ کی آواز سنائی دی:

”یہ حقیقتی صورت۔“

اُب تو سب اس صورت پر جمک گئے... چند لمحے تک غور

سے دیکھنے کے بعد ان پکڑ جمیں کی آواز ابھری:

”اُب میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ اسی شخص کی تصویر ہے... جس کی تصویر ہم نے داراب خان کے ڈرائیور روم میں دیکھی ہے... جس کے بارے میں اس کا کہتا ہے کہ وہ اس کے بڑے بھائی کی تصویر ہے۔“

انہوں نے خبر پڑ دی... وہ یہ تھی:

”آج صبح سورے یہرگاہ کے راستے پر بڑے نئے ایک لاش پڑی ٹلی ہے۔ بعد میں جب ماہرین نے اس کا بیبور محاشرہ کیا تو پہ چلا کر لاش ایک جرام پیشہ شخص سرخا کی ہے، پولیس کافی مدت سے برخا کی تلاش میں تھی، لیکن اسے کوئی کامیابی نہیں ہو سکی تھی... پولیس اس سلطے میں تحقیقات کر رہی ہے، عام خیال یہ ہے کہ اس شخص نے چوکر لوگوں کی زندگی اجرین ہمارکی تھی... اس لیے ایسے ہی کسی شخص نے موقع پا کر اسے نہ کاٹا دیا... حرید تحقیقات جاری ہیں...“

اس خبر کے علاوہ انہیں اور کوئی خبر کسی اخبار میں نظر نہ آئی:

”خیرت ہے... آخر اس بات کا پتا داراب خان کو کیون نہیں لگا... جب کہ اخبار میں خبر بھی لگ گئی تھی اور اس نے پولیس اشیش میں رپورٹ بھی درج کر دی تھی... چلو اس نے اگر اخبار نہیں

دیکھا تھا تو بھی پولیس اشیش والوں نے اُسے اطلاع دی ہو گی۔“
خان رحمان نے کہا۔

”یہ ہمارا خیال ہے... ہو سکتا ہے... پولیس اشیش والوں نے اس تصویر کو سرخاب کی تصویر نہ خیال کیا ہو...“ خان رحمان نے خیال ظاہر کیا۔

”بہر حال! اس محاالتے میں کوئی چکر ضرور ہے... اور اس کی وضاحت داراب خان کر دیں گے۔ آج ہم بہت جھکے ہوئے ہیں... آٹھ دن سلسلہ سیر کر کے لوٹے ہیں، اس لیے ایک دو دن بعد اس سے ملاقات کر دیں گے... وہ اُس وقت تک رجڑی سے بھی فارغ ہو چکا ہو گا...“

”مجھے تو جمیں... اس محاالتے میں یہ بات نظر آتی ہے کہ بڑا بھائی چھوٹے بھائی کی کسی زیادتی سے بیزار ہو کر وہاں سے چلا آیا، مکن شہر میں وہ بڑی صحبت میں پڑ گیا... اپنے بھائی سے وہ اپنا حصہ لے کر آیا نہیں ہو گا... بس ایسا آدمی غلط صحبت میں بہت جلدی پڑتا ہے... اور ایک دن جرام کی دنیا میں اسے موت کو گلے لگانا پڑا... یہ ہے کل کھانی۔“ یہاں تک کہہ کر وہ خاموش ہو گئے۔

”آپ کا خیال کافی حد تک درست لگتا ہے... حرید معلومات ہم داراب خان سے حاصل کریں گے۔“ اپکڑ جمیں نے

کہا۔

کے سامنے رکھ دیا... انہوں نے اس روپورٹ کا مطالعہ کیا... روپورٹ میں کوئی خاص بات نہیں تھی... بس اتنا لکھا تھا کہ میرے بڑے بھائی کی روز سے گم ہیں... انہیں ہر طرف تلاش کیا گیا، لیکن ان کا کوئی پتا نہیں چلا... لہذا روپورٹ درج کریں... اور مناسب کارروائی عمل میں لا گئیں... اور بس۔“

اس کے بعد اس روپورٹ پر آگے کوئی کارروائی نہیں لکھی گئی تھی، گویا بے چارے سرخاب خان کو تلاش کرنے کی زحمت کی عینہ نہیں گئی تھی... دوسری طرف کچھ مدت بعد جب سرخاب خان کی لاش ملی تو کسی کو پتا نہ چلا کہ یہ سرخاب خان ہے... بلکہ اس وقت تو وہ سرخاب بن چکا تھا... ایک جرام پیشہ کی لاش کی طرف کون توجہ دیتا... بس اسے دفنادیا گیا... اس طرح بے چارے داراب خان کو یہ معلوم نہیں ہوا کہ اس کا بڑا بھائی اس دنیا سے رخصت ہو چکا ہے۔“

”ہاں! کہانی بھی لگتی ہے... اس کی تقدیق داراب خان سے ہو جائے گی... مطلب یہ ہوا کہ یہ کیس شروع ہوتے ہوتے رہ گیا... ہم بال بال بچے... کیس ختم ہوا۔“

”جلیے چھٹی ہوئی... اس مرتبہ کی سیر بھی مبارک ثابت ہوئی...“ فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

دو دن بعد خان رحمان نے اپنے وکیل سے رابطہ کیا...

”بلکہ اس سے پہلے ہم پولیس اسٹیشن کا شی بیک سے کوئی نہ معلومات حاصل کریں... یہ بھی تو دیکھنا چاہیے کہ روپورٹ کیا درج کرائی گئی تھی... اور لاش ملنے پر داراب خان کو اطلاع دی گئی تھی یا نہیں...“

”ٹھیک ہے... کل پولیس اسٹیشن چلیں گے۔ اب آرام کر لیا جائے۔“ انہوں نے یہ کہہ کر بات ختم کر دی۔

”وہرے دن وہ دوپہر سے پہلے پولیس اسٹیشن کا شی بیک گئے... انجصارج کا نام فرج شاہ تھا... اس نے اُن کا گرم جوشی سے استقبال کیا:

”آپ مجھے بلا لیتے... خود کیوں زحمت کی ہے۔“

”نہیں جناب! ہمیں کام تھا... ہمیں یہ آنا چاہیے تھا... اب سینے... آج سے دس سال پہلے ایک شخص داراب خان شمشیر نے اپنے بڑے بھائی کی گم شدگی کی روپورٹ درج کرائی تھی... ہم دیکھنا چاہتے ہیں، وہ روپورٹ کیا تھی اور اس پر کیا کارروائی ہوئی تھی۔“

”مجی اچھا... ابھی ٹھالے دیتا ہوں... بس آپ تاریخ بت دیں۔“

انہوں نے تاریخ بتا دی... اس نے رجسٹر کلو اکران

اس نے بتایا کہ رجسٹری ہو چکی ہے ... اور رقم ادا کر دی گئی ہے... خان رحمان نے یہ اطلاع انپکٹر جمیشید کو دی تو انہوں نے فوراً کہا:

”بس تو پھر... آپ دونوں جنگیں... ہم ذرا داراب خان سے بھی ایک ملاقات کریں۔“

”لیکن جمیشید... اب اس کیس میں رہ کیا گیا ہے... یہ تو اپنی موت آپ مر چکا ہے۔“ خان رحمان نے خس کر کہا۔

”ہاں! بات بھی ہے... لیکن ایک بات مجھے قدرے پر بیشان کر رہی ہے۔“

”اور وہ کیا جمیشید۔“

”جب میں نے داراب خان کو بتایا تھا کہ میں نے اس تصویر والے شخص کو کہیں دیکھا ہے... تو اسے پھری بات سن کر صرف تھرت ہوئی تھی... جب کہ پس کر تو اسے خوش ہوتا جائے تھا۔“

”خیر... میرے خیال میں تو یہ کوئی خاص بات نہیں... ظاہر ہے... بھائی کے ملنے پر اسے نصف جائیداد اسے دینا پڑے گی... اس لیے اس کے چہرے پر خوشی کے آثار نظر نہیں آئے۔“

”ہاں خان رحمان... لیکن پھر بھی میں اس سے ملتا چاہتا ہوں۔“

”بس تو پھر میں پروفیسر صاحب کو لے کر آتا ہوں... تم تیار رکنا۔“
”دفکرنہ کرو۔“

آدھ کھنٹے بعد دونوں بھنچ گئے اور وہ داراب خان کے ہتھ پتے کی طرف روانہ ہوئے... جو نبی دہ 28 نومبر ماڈل ناؤن پر پہنچ... انہیں حرمت کا ایک جھنکا لگا... دونوں دیہاتی پاں لکل اسی طرح اس دروازے پر بھی موجود تھے... جس طرح وہ انہیں حولی کے دروازے پر نظر آئے:

وہ انہیں دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے... پھر ان میں سے ایک اندر چلا گیا... یہ مکان چھوٹا سا تھا... اور شاید بہت کم کراچے کا تھا... انہیں یہ دیکھ کر بھی کافی حرمت ہوئی... کیونکہ ایک کروڑ کی جائیداد فروخت کرنے والے شخص کا اتنا چھوٹا سامکان کراچے پر لینا بہت عجیب بات تھی۔

جلد ہی دروازہ کھولا گیا اور داراب خان شمشیر کی صورت دکھائی دی۔ وہ برسوں کا بیمار نظر آرہا تھا... تین دن پہلے تو اس کا چہرہ اس حد تک اُترنا ہوا تھا... ہاں پر بیشان اُس وقت بھی تھا:

”میں نے زمین کے کاغذات آپ کے وکیل کو دے دیے

ہیں... سارا کام ختم ہو چکا ہے... کیا آپ کے دکل نے آپ کو بتایا
نہیں۔“

”بالکل بتایا ہے۔“ خان رحمان مکراۓ۔

”تب پھر آپ میرے پاس کس لیے آئے ہیں۔“ اس نے
ڈا سامنہ بنایا۔

”آپ کے اس سوال کا جواب میرے یہ ساتھی دیں
گے۔“ انہوں نے اپنے جشید کی طرف اشارہ کیا۔

”ہم آپ سے کچھ باتیں کرنے کے لیے آئے ہیں... اور
وہ باتیں ہیں آپ کے بھائی سرخاب خان کے بارے میں۔“

”جی... کیا مطلب؟“ وہ دھک سے رہ گیا۔

”جی ہاں! کیا آپ ہمیں اندر چل کر بیٹھنے کے لیے نہیں کہیں
گے۔“

”اوہ ضرور... کیوں نہیں۔“

”وہ نہیں ایک چھوٹے سے ڈرائیک روم میں لے آیا۔“

”ہم اس بات پر بہت حیران ہیں کہ آپ نے یہ چھوٹا سا
مکان کرائیے پر کیوں لیا... جب کہ آپ ایک کروڑ کے مالک ہیں۔“

”یہ سوال ذاتی نویت کا ہے... کیا آپ ذاتی سوالات
کرنے کا حق رکھتے ہیں۔“

”ہاں بالکل...“ اپنے جشید مکراۓ۔

”بھلا دہ کیسے؟“

”آپ کے بھائی دس سال پہلے غائب ہو گئے تھے... پھر
ایک شخص کی لاش پولیس کو ملی... لاش کا چہرہ بالکل آپ کے بھائی جیسا
تھا۔“

”نہیں! وہ میرے بھائی کا نہیں تھا... میں نے اخبارات
میں وہ تصور دیکھی تھی۔“ اس نے پریشانی کے عالم میں کھا۔

”کیا آپ نے لاش کو دیکھا تھا۔“

”نہیں! میں نے ضرورت محسوس نہیں کی تھی... آخر اپ
ایسے سوالات کیوں کرو رہے ہیں... کیا آپ کا تھق پولیس سے
ہے۔“

”بھی بات ہے۔“ فاروق مکراۓ۔

”اوہ... اچھا... اب سمجھا... لیکن کیا پولیس میں ملازمت
کرنے والے آج کل اتنے مالدار ہو گئے ہیں کہ ایک کروڑ کی
جائیداد خرید سکتے۔“

”یہ میرے دوست ہیں... یہ پولیس میں ملازم نہیں ہیں...
ہیروں اور سونے کی کانوں کی تجارت کرتے ہیں۔“ انہوں نے
تھا۔

”ادا اچھا... خیر... میں نے لاش نہیں دیکھی تھی... تصویر
دیکھ کر جان لیا تھا کہ وہ میرا بھائی نہیں ہے۔“
”اچھا ایک بات بتا دیں، آپ نے ایک کروڑ کس پینک
میں جمع کرائے ہیں۔“

”آپ کا ہر سوال ذاتی نوعیت کا ہے... مجھے افسوس ہے...
میں اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔“

”اگر میں چاہوں تو آپ سے اس سوال کا جواب لے سکا
ہوں... اور چاہوں تو سوال کیے بغیر یہ معلوم کر سکتا ہوں کہ آپ نے
رقم کون سے پینک میں جمع کرائی ہے۔“

”آخر آپ لوگ چاہتے کیا ہیں۔“
”ہم محسوں کر رہے ہیں... آپ کے بھائی کے معاملے میں
کہیں نہ کہیں... کوئی نہ کوئی گز بڑا ضرور ہے۔“

”اللہ انہار حرم کرے...“ وہ بڑا ایسا۔
”اور آپ کے حق میں بہتر یہ ہے کہ جو کچھ ہمیں بتا سکتے ہیں،
حق بتا دیں... اس صورت میں ہم آپ کے کام آنے کی کوشش
کریں گے۔“

”لگ... کیا واقعی۔“ اس نے بے یقینی کے عالم میں کہا۔
”آپ تجربہ تو کریں۔“

”تب پھر سن لیں... کوئی نامعلوم شخص مجھے بلیک میل کر رہا
ہے۔“
”کیا!!!“ ان کے منہ سے ایک ساتھہ لکلا۔



آخری مطالبه؟

چند لمحے خاموشی کے عالم میں گزر گئے... پھر محمود کے منہ سے لکھا:

”آپ نے کیا کہا ہے... کوئی آپ کو بلیک میل کر رہا ہے۔“

”ہاں! بھی بات ہے... اس نے مجھے کوڑی کوڑی کا چاہج کر دیا ہے... تمام دولت حاصل کرنے کے بعد اس نے کہا تھا... اب میرا آخری مطالbeh پورا کرو۔“

”لگ... کیا... آخری مطالbeh؟“ فاروق چونکر بولا۔
”ہاں! بھی کہا تھا... کیوں... کیا بات ہے، آپ اس طرح کیوں چونگے۔“

”میرا مطلب ہے، یہ تو کسی نادل کا نام ہو سکتا ہے...“
فاروق نے فوراً کہا۔

”یہ کیا بات ہوئی۔“

”آپ اس کی باتوں پر نہ جائیں... اور ہمیں بتائیں... آخر وہ نامعلوم شخص آپ کو... مم... مگر نہیں... پہلے تو یہ بتائیں... اس کا آخری مطالbeh کیا تھا۔“

”یہ کہ زمین اور حوالی بیچ کر اس کی رقم اس کے حوالے کر دوں۔“

”اوہ... تو آپ نے وہ تمام رقم اسے دے دی... جو مجھ سے وصول کی۔“ خان رحمان مارے جمرت کے بوالے۔

”ہاں! بھی بات ہے۔“

”لیکن کیسے... اتنی بڑی رقم آپ نے کیسے دے دی۔“
”آپ سے مجھے چیک ملا تھا، میں نے وہ چیک ہی اسے دے دیا۔“

”اوہ... خیر... اس کا سراغ ہم کا لیں گے کہ وہ کس نے کیش کرایا ہے... یا اپنے اکاؤنٹ میں جمع کرایا ہے... آپ صرف یہ بخادیں... آخر وہ آپ کو کس بات پر بلیک میل کر تارہا ہے۔“

”اس نے مجھے اپنے آدمیوں کے ذریعے اخواز کرایا تھا... وہ مجھے ایک جگل میں ہے گئے... گاڑی بندھی... اس لیے مجھے نہیں معلوم کہ وہ کون سا جگل تھا... وہاں مجھے گاڑی سے اتار دیا گیا۔ پھر مجھے پر پتوں نان دیے گئے اور کہا گیا... زمین پر ایک خیز پڑا ہے،

اے اٹھاؤ... میں اس قدر خوف زدہ تھا کہ کیا ہتاوں... ان کے حکم کی تحریکی... تختراخالیا... اس کے بعد مجھ سے کہا گیا... تمیں قدم گن کر اٹھاؤ... یعنی جس طرف منہ ہے، اس طرف۔ میں نے گن کر تمیں قدم اٹھائے تو وہاں ایک شخص قتل ہوا پڑا تھا... بن اسی لمحے میری تصاویر لے لی گئیں... پھر مجھے چھوڑ دیا گیا۔ اگلے دن ہی اس منظر کی تصاویر مجھے بھجوادی گئیں... اور...“

”ایک منٹ! تصاویر کس طرح بھجوائی گئیں۔“

”اس حوالی میں میں مگر انی کے لیے دو آدمی رکھتا تھا... کوئی نامعلوم آدمی انہیں دے گیا... یہ کہہ کر کہ داراب خان شمشیر کو دے دیں...“

”اچھا بھر۔“

”اس کے بعد پھر بلیک میلنگ کا سلسلہ شروع ہو گیا... وہ موبائل پر رابطہ کرتا ہے... اور رقم وصول کر لیتا ہے۔ رقم کا چیک اس کا آدمی آکر لے جاتا رہا ہے...“

”آپ ہر وقت دو آدمی کیوں دروازے پر رکھتے ہیں... ہم نے حوالی پر بھی ان دونوں کو دیکھا تھا اور یہ بہاں بھی ہیں۔“

”ان کا باپ حوالی کا ملازم تھا... مرتبے وقت وہ انہیں

وہیت کر گیا تھا کہ یہ دونوں ہر حالت میں میرا ساتھ نہیں چھوڑیں گے... بس یہ اس وقت سے غلاموں کی طرح میرے ساتھ رجھ ہیں۔“

”کیا یہ ان کے ساتھ ٹلم نہیں۔“

”میں نے انہیں بہت مرتبہ کہا ہے کہ تم لوگ آزاد ہو... جہاں چاہو، جاسکتے ہو یہ سن کر یہ روئے لگتے ہیں... ان حالات میں میں کیا کر سکتا ہوں... اب جب کہ میں کنگال ہو لیا ہوں... تو اب بھی یہ کہیں جانے کے لیے تیار نہیں، کہتے ہیں... خوشحالی کے دونوں میں آپ کے ساتھ رہے ہیں تو تھک دستی میں کیوں ساتھ چھوڑ جائیں۔“

”ہوں... خیر... مطلب یہ کہ اس طرح وہ شخص آپ کو کنگال کر چکا ہے۔ آپ سے بہت بڑی بھول ہوئی ہے۔“

”کیا مطلب... کیسی بھول؟“ وہ چونکا۔

”آپ کو چاہیے تھا... کسی دلیل کو پوچھا کیا نہیں بن سکتا... اسکی تصاویر کو اب کوئی ثبوت نہیں مانا جاسکتا... کیونکہ کپیوٹر پر ہر قسم کی تصاویر بنائی جاسکتی ہیں۔“

”اوہ... مجھے یہ بات معلوم نہیں تھی۔“

”خیر... آپ فکر نہ کریں... ہم اس بلیک میلر کا سراغ لگا کر رہیں گے اور آپ کی دولت آپ کے حوالے کریں گے۔“
”نہیں نہیں... اس کی ضرورت نہیں... مجھے نہیں چاہیے اسکی دولت، جو سکون لوٹ لے... چین سے ہونے بھی نہ دے... جب ہے یہ چکر چلا ہے... میں ایک رات بھی آرام سے نہیں سویا... اور کل رات چہل بار مجھے نیزد آئی تھی... یعنی ساری دولت دے دینے کے بعد... لہذا اب میں اس کے بغیر جینا چاہتا ہوں۔“

”خیر... یہ تو آپ کی مرضی ہے... لیکن مجرم کو سزا دلواناً قانون کا کام ہے... لہذا ہمیں تو اس بلیک میلر کو تلاش کرنا پڑے گا... نہ جانے وہ اور کتنے لوگوں کو اس طرح ستارہ ہے۔“

”ٹھیک ہے... جو آپ کا جی چاہے وہ کریں... لیکن مجھے اب اس دولت کی ضرورت نہیں۔“

”اچھی پات ہے... اب ہم چلتے ہیں۔“

وہ اٹھ کر باہر آگئے... انکیٹر جیشید اس وقت کسی گھری سوچ میں گم نظر آ رہے تھے... انہوں نے یہ بات صاف طور پر محسوس کر لی... فرزانہ سے رہانے گیا... اس نے کہا:

”آپ کس سوچ میں ہیں۔“

”اس کیس میں بے اہم بات یہ ہے کہ وہ لاش جو می ختمی... یعنی داراب خان کے بھائی کی یا بھائی سے مشابہ کسی شخص... آخر سے کس نے قتل کیا تھا اور کیوں... اس سلسلے میں آگے بڑھنے کے لیے ہمیں پھر اس تھانے کا رخ کرنا ہو گا... جس کی حدود میں لاش ملی تھی... بات دس سال پہلے کی ہے... لہذا ہمیں فائل دیکھنا ہو گی... اور اس وقت جو تھانے دار وہاں لگے ہوئے تھے... ان سے بھی ملاقات کرنا ہو گی... یا تو وہ ریٹائر ہو چکے ہوں... یا پھر ملازمت میں ہوں گے... آؤ چلیں۔“

اب وہ دوبارہ متعلقہ تھانے پہنچ... تھانے کے انچارج سے دس سال پہلے کی فائل نکلوائی گئی۔ انہوں نے دیکھا، تھانے کا انچارج قائل کا سراغ لگانے میں پوری طرح ناکام رہا تھا۔ انہوں نے لاش نکل سے لے کر کیس فائل ہونے تک کی تمام تفصیل شور سے ڈھمی۔ لاش کے پاس سے ہونے کی ایک زنجیر ملی تھی۔ اس زنجیر میں حرف 'Z'، لکھا تھا... گویا زنجیر کے مالک کا نام 'Z' سے بُشروع ہوتا تھا:

انہوں نے فوری طور پر اکرام کو فون کیا۔ اس کی آواز سختی بولے:

”اکرام... دس سال پہلے کسی جو ائم پڑھ کا نام 'Z' سے

شروع ہوتا تھا... اپنادس سال پہلے کاریکارڈ چیک کرو... شاید اس کا
نام معلوم ہو جائے۔“

”بہت بہتر ہے۔“

اور چھر دس منٹ بعد اکرام کافون موصول ہوا... وہ پر
جو ش انداز میں کہہ رہا تھا۔

”س... سیر... اس کا نام معلوم ہو گیا... اور اس کا لٹھکانہ
بھی... نام زار ان ہے اور ہوٹل کا نام ڈوبے۔“

”بہت خوب اکرام... کیا اب بھی اسی ہوٹل میں
رہتا ہے۔“

”یہ معلوم نہیں سر... لیکن ہوٹل کی انتظامیہ سے یہ بات
معلوم ہو سکتی ہے۔“

”ہاں! یہ بات صحیک ہے... ہم ابھی وہاں جاتے ہیں۔“
”لیکن ذرا مشجع کر سر... نہ ہے... یہ ہوٹل بہت خطرناک
ہے...“

”کوئی بات نہیں... ہم دیکھ لیں گے انشا اللہ۔“
اور پھر وہ اسی وقت ہوٹل کی طرف روانہ
ہو گئے... ہوٹل ڈوبے شہر کا بد نام ہوٹل تھا... لیکن تھا بہت بڑا... عام
خیال یہ تھا کہ اس میں جرام پوشہ لوگ رہتے ہیں... پولیس نے کہی

مجرموں کی تلاش میں کئی بار اس پر چھاپے مارے تھے۔ لیکن آج تک
ایک مجرم بھی اس ہوٹل سے گرفتار نہیں کیا جا سکا تھا... ان کی گاڑی
ہوٹل کے سامنے رکی تو فوراً چھپیرے ان کی طرف لپکے...“
”سامان ہے صاحب۔“

”ہم شہر میں عقیر ہے ہیں... باہر سے نہیں آئے۔“ انکھز
جیشید خشک لبھ میں بولے۔

”اوہ کوئی بات نہیں... گاڑی آپ کو پار کنگ ایریا میں لگانا
ہو گی... یا چاہی بھیں دے دیں... پارک کر دیتے ہیں۔“

”گاڑی ہم خود پارک کریں گے... آپ یہ بتائیں
پار کنگ ایریا ہے کس طرف۔“

”ہوٹل کے سامنے لو ہے کا جھٹانظر آرہا ہے نا سر... بس
اس میں لے جائیں۔“

”اجھی بات ہے۔“

کار پارک کر کے وہ ہوٹل میں داخل ہوئے...
دروداڑے پر کھڑے باور دی اشاف نے انہیں سلام کیا:

اندر ہاں بہت دسیع تھا... ایک اٹھٹٹھ فوراً ان کی
طرف پکا:

”سر... پہلے اپنی میز کے لیے کارڈ لے لیں... اس طرح

آپ کی میز پر کوئی اور نہیں بیٹھے گا۔“
”اچھی بات ہے۔“

انھڑت نے ایک کاؤنٹر کی طرف اشارہ کیا۔ خان رحمان اس کاؤنٹر پر پہنچے:

”میز کے لیے کارڈ۔“ وہ بولے۔
”پانچ ہزار روپے۔“

”مرف میز کے کارڈ کے؟“

”ہاں سر... آج کی تاریخ میں وہ آپ کی رہے گی... چاہے آپ انھر کر چلے جائیں یا بیٹھے رہیں۔“
”اچھی بات ہے۔“

پانچ ہزار کا قوت دے کر وہ کارڈ لے آئے، ان کی میز کا نمبر 13 تھا... وہ اس پر جا بیٹھے... ہال کے چاروں طرف ششی کی دیوار تھی... ان کی میز دیوار کے ساتھ تھی۔ اس طرح وہ باہر کا مظہر بھی دیکھ سکتے تھے... ان کے بیٹھنے کے تین منٹ بعد ان کی میز کا ویٹر ان کے پاس آ کرنا ہوا... منہ سے اس نے پکھنٹہ کیا... آخر خان رحمان نے انھی کے اشارے سے اسے بلا یا اور کچھ چیزوں کا آرڈر دیا... کونکہ خالی بیٹھے ہوئے لوگوں کو سکھوڑنی والے گھورنے لگتے ہیں، شاید کہتے ہوں گے... یہ کھانی تو پکھر رہے نہیں... یونہی وقت

ھارا خالع کر رہے ہیں... جو نبی دیران کا آڈر لے کر آیا... انکھر جشید اس سے مخاطب ہوئے:

”کیا آپ ہماری مدد کر سکتے ہیں۔“

”فرما پئے۔“ اس نے با اخلاق لمحہ میں کہا۔

”ہم آپ کی خوب خدمت کریں گے... آپ حیران رہ جائیں گے... شرط یہ ہے کہ آپ ہماری مدد کر دیں۔“

”آپ فرمائیے... میرے بیس کا کام ہوا تو میں ضرور کروں گا۔“ اس نے کہا۔

”آپ ہماں کب سے ملازم ہیں۔“

”مدت دراز سے ملازم ہوں... اس ہوٹ میں جو آدمی ایک بار ملازم ہو جاتا ہے... وہ ملازمت چھوڑ کر نہیں جا سکتا... مطلب یہ کہ مر کر ہی فارغ ہوتا ہے۔“

”کیا مطلب؟“ وہ چونکہ اٹھے۔

”یہ تو آپ نے بہت حیرت انگیز بات بتائی ہے۔“

”اوہ... مم... مجھے افسوس ہے... میں نیند میں تھا... میری منہ سے کوئی غلط بات لکھ گئی ہے... معافی چاہتا ہوں۔“

”اور آپ رہتے کہاں ہیں۔“

”ہوٹل کے چھپلی طرف تمام ملازمین کے لیے کوارٹرز بنائے گئے ہیں... بس میں بھی وہی رہتا ہوں... اپنے بیوی بچوں کے ساتھ... لیکن اب آپ ایک مہربانی کریں... میرے منہ سے جو غلط بات لکھ لگئی ہے...“

میں اس لمحے اس کے موبائل کی سختی نجاحی... وہ چونک گیا۔ جلدی سے موبائل جیب سے نکلا، اسکرین پر نظر ڈالتے ہی اس کارگر بندی کی طرح زرد ہو گیا:

”مم... میں مارا گیا... میرا دماغ پھر گیا تھا... میں پاک ہو گیا... جو آپ کو یہ بات بتا بیٹھا... آج میری زندگی کا آخری دن ہے... مل... لیکن میں مرنے سے پہلے اپنے بیوی بچوں سے ملنے چاہتا ہوں... لیکن... اب مجھے ان سے کون ملنے دے گا... موت کا پروانہ تو جاری ہو بھی چکا۔“ وہ مارے خوف کے کہتا چلا گیا۔ اور پھر اس نے موبائل آن کیا اور بولا۔

”لیں سر:

”آ جاؤ... فوراً... ورنہ انجام بھیا ک۔“ ایک بہت ہی کھدری آواز انہوں نے بھی سنی۔ فون بند کرتے وقت وہ تھرھر کاپ رہا تھا... آخر فون بند کر کے ان سے بولا۔

”چند منٹ پہلے مجھے معلوم تک نہیں تھا کہ میری زندگی کا یہ

آخری دن ہے... آپ نے مجھے کہاں پہنچا دیا... اس نے ڈوبی ہوئی آواز میں کہا۔

انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا... پھر انپکڑ جمیشید

نے کہا:

”میرے خیال میں تو آپ بلا وجہ ڈر رہے ہیں... ابھی ابھی فون کیا گیا ہے کہ آ جاؤ فوراً... ورنہ انجام بھیا ک۔... گویا فوری طور پر جانے کی صورت میں انجام بھیا ک نہیں ہو گا۔“

”یہ بات نہیں... بھیا ک انجام کا مطلب ہے... میرے بیوی بچوں کو میری آنکھوں کے سامنے قتل کیا جائے گا... اور اب میں رک نہیں سکتا... میری جان تو اب جائے گی... بیوی بچوں کی کیوں جائے۔“

یہ کہہ کر وہ تیز تیز قدم اٹھا تا ایک سست میں چلا گیا:

”اوہ بھی... جلدی کرو۔“

وہ بھی اٹھئے اور اس کی طرف چلے... جلد ہی اس کے پاکل نزدیک بیٹھ گئے... اس نے بھی یہ بات محظی کر لی... مڑکران کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے کہا:

”آپ... آپ کیوں میرے بھیجے آگئے... میرے ساتھ آپ بھی کیوں اپنی موت کو آواز دیتے ہیں۔“

”یہ وقت آپ پر ہماری وجہ سے آیا ہے... لہذا ہم آپ کی
مد کریں گے۔“

”آپ مد کریں گے... ہا ہا ہا...“ اس نے پھس پھا
قہقهہ لگایا۔

”کیوں... کیا آپ کے خیال میں ہم مقابلہ نہیں کر سکیں
گے۔“

اس ہوٹل کے سو سے زیادہ طلازیم ہیں اور وہ ہوٹل کے مالک
کے پاتوتکوں کی طرح ہیں... وہ جب انہیں اشارہ کرے گا کہ ان
لوگوں کی عکس بولی کر دو... تو وہ سب کے سب آپ لوگوں پر ثبوت
پڑیں گے۔“

”اللہ مالک ہے... آپ چلیں... کہاں چلتا ہے۔“

”اور... اول تو آپ لوگوں کو راستے ہی میں روک لیا
جائے گا۔“

”اوہوا چھا... جب پھر آپ ذرا سیہیں رک جائیں... اب
ہم ساتھ ہی چلیں گے۔“

یہ کہہ کر انہوں نے بیرے کو کلائی سے پکڑ لیا اور اکرام
کے نمبر ڈائل کیے:

”یہ... یہ آپ کیا کر رہے ہیں... اگر میں یہاں لیٹ ہو گیا
جائے گا۔“

”تو وہ وہاں میرے بیوی بچوں کو بلوالے گا۔“

دوسری طرف سلسلہ ملنے پر انہوں نے کہا:

”ہم اس وقت ہوٹل ٹوپے میں ہیں... فوری طور پر
آجائو... اور خفیہ فورس کو بھی فون کر دو۔“

”تھی اچھا۔“

سو باکل بند کر کے انہوں نے سرداوار اذیت میں کہا:

”ہم جو کچھ کر رہے ہیں... آپ کے لیے کر رہے
ہیں... سمجھئے۔ اب چلیں... کدر چلتا ہے۔“

”آپ میرے لیے اپنا جان کیوں مصیبت میں ڈال رہے
ہیں... اپنا کام کریں۔“

”اپنا کام ہی تو کر رہے ہیں۔“ محمود سکرایا۔

اس نے محمود کی طرف دیکھ کر بڑا سامنہ ہٹایا اور قدم
الٹھانے لگا... یہاں تک کہ وہ لفت تک بھیخ گئے۔ اس نے لفت کا بٹن
دبا یا... لفت آکر دیکی... اور دروازہ کھل گیا۔ اب وہ اندر داخل
ہوئے... اس نے سب سے اوپر والی منزل کا بٹن دبا یا... آخر
لفت رک گئی... اس کا دروازہ کھلا اور وہ باہر نکلے... اوپر ایک کھلی
چھت تھی... اس کے ایک طرف بڑے کمرے کا دروازہ نظر آیا...
اس کے باہر دس سلیخ آدمی کھڑے تھے... فوراً ہی ان کی کلاش کوفوں

کے رخ ان کی طرف اٹھ گئے۔ ان میں سے ایک کی آواز ابھری:
 ”تم لوگ رانو کو چھوڑ دو... ورنہ سب کے سب بھون
 ڈالے جاؤ گے۔“



پیرا

انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا... دوسری
 طرف رانو کا حال بہت پُلا تھا... اسکے جمیشہ محوس کر رہے تھے کہ
 جو نبی انہوں نے اس کی کلائی کو چھوڑا... وہ گر جائے گا:
 ”تم لوگوں نے نہ... یہ کیا کہہ رہے ہیں۔“
 ”میں ہاں! یہ کہہ رہے ہیں کہ رانو کو چھوڑ دو۔“
 ”پروفیسر صاحب! آپ نے بھی نہ۔“
 ”ہاں ہاں جمیشید... ناقو میں نے بھی ہے...“
 ”تو کیا خیال ہے... ہم رانو کو چھوڑ دیں۔“
 ”نہ جمیشید... اس طرح تو بے چارہ مارا جائے گا۔“
 ”تو ہم آپ انہیں بتا دیں نا۔“
 ”لگ... کیا... کیا بتا دوں۔“
 ”بھی کہ... ہم رانو کو نہیں چھوڑ دیں گے... میرا مطلب
 ہے، ہم اس کا ساتھ نہیں چھوڑ دیں گے... اس کے ساتھ جو سلوک کرنا

کے... انہوں نے کہا تھا... راؤ کو فوراً اندر بیجو۔“
راؤ اندر جانے کے لیے تیار تو ہے... آپ لوگ خود
نہیں جانے دے رہے...”

ایسے میں دروازے پر لگے بینکر سے آواز ابھری:
”کیا بات ہے... اتنی دیر۔“
”باس! کچھ لوگ راؤ کو پکڑے کھڑے ہیں... وہ اس کے
ساتھ اندر آتا چاہتے ہیں۔“
”یہ کون لوگ ہیں۔“
”باس! ہم نہیں جانتے... ہال سے اس کے ساتھی اوپر
آئے ہیں... اور اس کے ہمراوں بن رہے ہیں۔“
”آہا... تب تو نیک ہے... انہیں بھی ساتھی بیجع دو۔“
”لوبھی... اب تو اجازت ہو گئی۔“ فاروق نے خوش ہو کر
کہا۔

”تم لوگ خوش ہو رہے ہو... حالانکہ اس کے ساتھ خود تم
بھی موت کے منہ میں جا رہے ہو۔“

”چلو کوئی بات نہیں... ہائیک... کیا کہا... موت کے منہ
من ارے باپ رے... یار جشید چلو... وامیں چلتے ہیں۔“ پروفیر
داود کا نپ کر بولے۔

”ہے... ہمارے سامنے کرو۔“
”اچھی بات ہے، سنبھالی... ہم راؤ کو نہیں چھوڑیں گے،
میرا مطلب ہے، ہم اس کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔“
”خاموش... یہ کیا ٹڑکار کی ہے...“ دروازے پر موجود
ملک افراد میں سے ایک نے جلا کر کہا۔
”آپ رہنے دیں اکھل... آپ کی باتیں انہیں پسند نہیں
آرہیں... اب ہم شروع کرتے ہیں، ان سے بات چیت...
سنودوستو! دو+دوچار۔“ فاروق بولا۔
”یہ کیا بات ہوئی دو+دوچار۔“
”اچھا آپ کے خیال میں یہ کوئی بات ہی نہیں ہوئی... خیر تو
بھرا بی بات سن لو... ناج نہ جانے آنکن ٹیڑھا۔“
”حد ہو گئی...“ دوسرا چلا یا۔
”واقعی... اس میں کوئی ٹک نہیں۔“ خان رحمان نے خوش
ہو کر کہا۔

”لگ... کس میں خان رحمان۔“ پروفیر داؤ نے
حیران ہو کر کہا۔

”یہ کہ ناج نہ جانے آنکن ٹیڑھا میں کوئی ٹک نہیں۔“
”یہ لوگ پاک لکتے ہیں... باس ہماری کھال گردیں

”واپس چلیں گے... ان کے بارے ملاقات کے بعد...
بہت دوچھپی محسوس ہو رہی ہے... ذرا غور تو کریں پروفیسر صاحب...
ہر ہیرے کی بات یہ شخص اپنے کمرے میں سن رہا ہے... اور اسی بنیاد پر
اس نے رانو ہیرے کو اوپر بلا�ا ہے... تاکہ سزادے سکے...
اوہ...“ یہ کہہ کر انپکڑ جشید آگے بڑھے... سب ان کے ساتھ
چلے... ادھران لوگوں نے دروازہ کھول دیا... جب وہ اندر جانے
لگئے تو ان میں سے ایک نے کہا:

”بے چاروں کو آخری بار دیکھ رہے ہیں۔“

”ہائیں... کیا آپ لوگوں کا مرنسے کا پروگرام ہے۔“
فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

”ہمارائیں... تم لوگوں کا۔“

”آؤ بھی... دیر نہ کرو... بے چارے بارے باس کا پارہ چڑھ
جائے گا۔“

اور وہ سب اندر داخل ہو گئے... ساتھ ہی دروازہ بند
ہو گیا... انہوں نے دروازے میں چابی کھونے کی آواز بھی
سنی... گوپا دروازے کو تالا لگا دیا گیا تھا... دوسری طرف انہوں نے
دیکھا، کمرے میں کوئی نہیں تھا:

”یہ... یہ کیا... یہاں تو باس زادہ“ فاروق نے

بلند آواز میں کہا۔

”یہ کیا بات ہوئی... باس نہ باس زادہ“ فرزانہ نے منہ
بنا یا۔

”شاید... تم نے شاید پرانے زمانے کی جادوئی کہانیاں
نہیں پڑھیں۔“

”بالکل نہیں... اس دور میں ان کہانیوں کا کیا ذکر۔“
”ان کہانیوں میں یہ جملہ بولا جاتا تھا... وہاں نہ کوئی آدم

تحانہ آدم زادہ“

”دھت تیرے کی۔“ محمود نے جلا کر ہاتھ نچایا۔
”یہاں تو کیا کہا تھام نے ان لوگوں سے۔“ کمرے میں
آواز ابھری۔

”بہب... باس... غن... غلطی ہو گئی... میں شاید نہیں میں
چلا گیا تھا۔“

”ڈیوٹی کے دوران نہیں۔“ غرا کر کہا گیا۔

”نن... نہیں باس... اوگھے۔“

”اوگھے بھی معاف نہیں۔“

”باس... رحم...“

”اب کہا پہنچانے ان ہمدردوں سے... تمہیں بچالیں...“

لو... میں تمہیں حکم دیتا ہوں... اپنے ہاتھوں سے اپنا گلا خود گھونٹ لو۔"

"من... نہیں... نہیں باس۔"

"میں نے کہا ہے... اپنے ہاتھوں سے اپنا گلا خود دباو... پوری طاقت سے۔"

"اچھا باس۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کے دونوں ہاتھ گلے کی طرف بڑھے... فوراً ہی انپکڑ جمیں جس کی درست کام کر رہی تھی جس نے اسے حکم دیا تھا... اور شاید یہ پناظر کی حالت تھی... زور لگانے کے دوران اچاک انہیں خیال آیا... وہ چلائے:

دو فیض صاحب... اسے بے ہوشی کی دو استحکامیں۔

یہ صورت حال دیکھ کر وہ تینوں آگے بڑھے اور دوسری کلائی قابو میں کر کے زور لگانے لگے... انپکڑ جمیں نے پھر اس کلائی پر سے ہاتھ ہٹالیا۔ لیکن ایسا کرتے ہی ان تینوں کو زبردست جھٹکا لگا اور وہ اچل کر دیوار سے جاگرائے... وہاں پہلے خان رحمان موجود تھے... انہیں بھی اپنی طرح گرتے دیکھ کر مسکرائے اور بولے:

خوش آمدید۔

"ذائق اڑار ہے ہیں انکل۔" قاروق نے نہ کہا۔

گئے... اب رانو کا ایک ہاتھ گلے کی طرف بڑھا... اور اس پر جم گیا... دوسرا ہاتھ اب تک انپکڑ جمیں کے ہاتھ میں تھا... اور وہ ان سے اپنا ہاتھ نہیں چھڑا سکا تھا... اس لمحے انہوں نے محسوس کیا... اس کا ایک ہاتھ اپنی شرگ پر جم چکا تھا... اور وہ اس قابل تھا کہ ایک ہاتھ سے بھی گلا دبا سکے... یہ محسوس کرتے ہی انپکڑ جمیں پریشان ہو گئے... انہوں نے ایک ہاتھ کلائی پر سے ہٹالیا اور اسے دوسرے ہاتھ کی کلائی پر جما کر زور لگانے لگے... وہ سمجھ چکے تھے کہ رانو میں ذاتی طور پر اتنی طاقت نہیں تھی... اس وقت تو وہ قوت کام کر رہی تھی جس نے اسے حکم دیا تھا... اور شاید یہ پناظر کی حالت تھی... زور لگانے کے دوران اچاک انہیں خیال آیا... وہ چلائے:

یہ صورت حال دیکھ کر وہ تینوں آگے بڑھے اور دوسری کلائی قابو میں کر کے زور لگانے لگے... انپکڑ جمیں نے پھر اس کلائی پر سے ہاتھ ہٹالیا۔ لیکن ایسا کرتے ہی ان تینوں کو زبردست جھٹکا لگا اور وہ اچل کر دیوار سے جاگرائے... وہاں پہلے خان رحمان موجود تھے... انہیں بھی اپنی طرح گرتے دیکھ کر مسکرائے اور بولے:

خوش آمدید۔

"ذائق اڑار ہے ہیں انکل۔" قاروق نے نہ کہا۔

”میں خود اس انداز میں دیوار سے بگرایا ہوں، لہذا انداز کیسے ازاں کتا ہوں... میں تو اس بات پر خوش ہو رہا ہوں کہ ہم سب ایک ہی رنگ میں رہے گے ہوئے ہیں۔“

”ارے باپ رے۔“ ایسے میں فرزانہ کی خوف میں ڈولی آواز سنائی دی۔

انہوں نے چوک کر دوسری طرف دیکھا... انپکڑ جشید کافی مشکل میں نظر آئے... میں اس لمحے پر دیفرنے اس کی تاک پر رو مال رکھ دیا... ایسا کرتے ہی اس کے ہاتھ پر جرڑ میلے پڑ کے اور وہ گرتا چلا گیا... انپکڑ جشید نے اسے آہستہ سے فرش پر لٹا دیا:

”آف مالک! یہ بہت مشکل مرحلہ تھا۔“

”لیکن ابا جان! آخر اس میں اتنی طاقت کہاں سے آگئی۔“

”یہ پینا ثوم کے دوران دیے گئے حکم کی وجہ سے اتنا طاقت در ہو گیا تھا... پہلے ہی ٹرانس میں لا یا ہوا تھا... اور اس میں ہدایت بھی دی گئی ہو گی کہ ہوش کی حالت میں بھی باس جو حکم دے گا، اس پر عمل کر دے گے...“ انہوں نے وضاحت کی۔

”لیکن سوال یہ ہے کہ اس کرے کا تو کوئی دوسرا دروازہ بھی نہیں ہے... تو پھر یا س کہاں ہے۔“

”میں تم لوگوں سے دور نہیں ہوں... تمہیں ہر چیز نے

کے لیے تمہارے سر پر موجود ہوں... رانو اپنا گا خود نہیں گھونٹ سکا تو کیا... اب تمہارے ساتھ سک سک کر مرے گا... یہ لو... جزو چکھو اپنا سرگشی کا۔“

ان الفاظ کے ساتھ ہی ان کے چہروں تلے سے زمین کھل گئی۔

0

انہیں یوں لگا جیسے کسی گھرے کنوں میں گرتے چلے جا رہے ہوں، تار کی بھی حدود رہے تھی... آخر وہ دھم دھم کر کے نیچے جا گئے... وہ کسی زم جھٹ پر گرتے تھے۔ ساتھ ہی باس کی آواز اہم بری:

”اب زندگی کے دن یہاں گزارو... بھوکے پیاسے... سک سک کر اور رُٹپ رُٹپ کر... میں نے تمہیں ہال میں پچان لیا تھا... تم ملک کے مشہور و معروف سراغر ساں انپکڑ جشید اور ان کے ساتھی ہو... بھی بات ہے نا... اور ملک کے لیے عینہیں... تم تو دنیا بھر میں معروف ہو... اور گماہی کی موت مر رہے ہو... اس کنوں میں کچھ اور لوگ بھی ہیں... ان میں کچھ زندہ ہوں گے... کچھ مر نے

کے قریب ہوں گے اور کچھ مرکب بھی مل سڑ جکے ہوں گے ...
ان الفاظ کے ساتھ ہی انہیں شدید ترین بدبو کا احساس
ہوا... اس وقت تک وہ اوپر سے نیچے گرنے کی وجہ سے دمیان نہیں
وے پائے تھے... اب اس کے ذکر کرنے پر یہاں کے حواس پر چھا
گئی... انہیں یوں محسوس ہوا ہیسے وہ اسی وقت بے ہوش ہو جائیں
گے... اور پھر وہ بے ہوش ہو گئے... اسی وقت ایک آواز اجبری:
”ان لوگوں کو بھی یہاں سے محیث کر کنویں کے ٹھانے
میں پہنچا دو... تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بیجے بانسری...“

o

انہیں ہوش آیا تو وہ ایک بہت لمبے کمرے کے فرش پر
لیٹئے ہوئے تھے... انہوں نے دائیں باائیں گرد نہیں سما کر ایک
دوسرے کو دیکھا... انہیں قریب ہی را نو بھی نظر آیا... ان کے اور رانو
کے علاوہ وہاں کچھ اور لوگ بھی تھے... تاہم یہاں وہ بدبو نہیں تھی...
اور اس لمبے کمرے میں روشنی اور ہوا بھی موجود تھی... یہ دیکھتے ہی وہ
اٹھ بیٹھے... فاروق نے خوش ہو کر کہا:

”اللہ کا شکر ہے... ہم اس تاریک کنویں میں نہیں ہیں...“

وہاں تو گھٹ جاتا ہمارا دم۔“
”فکر نہ کرو... اس جگہ سے تمہیں کسی بھی وقت اس کنویں کی
تمہرے میں پہنچایا جا سکتا ہے۔“
”اے باپ رے۔“ وہ ایک ساتھ بولے۔



نئی آمد

جلد ہی ایک آواز ابھری:

”باس! پولیس نے ہوٹل کو گھیر لیا ہے۔“

”تو پھر کیا ہوا... پہلے بھی تو پولیس ہوٹل کو گھیرتی رہتی ہے زیادہ سے زیادہ بھی ہو گا کہ وہ ہوٹل کی تلاشی لیں گے... لینے دو... ان لوگوں کی تعداد گرد کو بھی نہیں بخیج سکتیں گے... تم نیچے جاؤ، بس ان سے تلاشی کے دارث کا مطالعہ کرنا... اگر ان کے پاس تلاشی کے دارث ہوں... تو رکاوٹ نہ بننا... دارث نہ ہوں تو کہنا کہ پہلے دارث لے آئیں... ویسے وہ دارث کے بغیر تو آئے نہیں ہوں گے بس جاؤ۔“

”اوکے باس۔“

انہوں نے پھر دوڑتے قدموں کی آواز سنی... ادھر پاس پھر ان سے مخاطب ہوا... تم نے نا... تم لوگوں کو ہوٹل سے برآمد کرنے کے سلسلے میں پولیس آئی ہے... لیکن تم فکر نہ کرو... وہ

”جیسیں تلاش نہیں کر سکے گی... اب پہلے انہیں زور لگانے دو... میں پھر تم سے بات کروں گا۔“

ان الفاظ کے ساتھ ہی آواز بند ہو گئی... انہوں نے ایک دورے کی طرف دیکھا... ایسے میں انہیں اپنے موبائلوں کا خیال آیا... لیکن پھر فوراً یہ بات یاد آگئی کہ انہیں تو بے ہوش کر دیا گیا تھا... ظاہر ہے، اس دوران ان کی جیبوں سے تمام چیزیں نکال لی گئی ہوں گی... اس خیال کے آتے ہی انہوں نے جیبوں کی تلاشی لی... جیبوں میں واقعی کچھ نہیں تھا... ایسے میں محمود کو اپنے چاقو کا خیال آگیا... اس نے جوتے کی ایڑی سر کا کر دیکھی... تو چاقو کو وہاں موجود پایا گواہا انہیں اس کے چاقو کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا... اسی وقت انہوں نے ایک آواز سنی... آواز اکرام کی

”تھی... وہ اعلان کرنے کے انداز میں کہہ رہا تھا:“

”ہوٹل کی انتظامیہ سن لے... ہوٹل کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا ہے... ہوٹل کا کوئی ملازم اگر فرار ہونے کی کوشش کرے گا تو اسے گرفتار کر لیا جائے گا... اور ہم سب سے پہلے ہوٹل کے فنجر سے ملتا چاہتے ہیں... دروازے پر کسی کو بچ ج دیا جائے... جماری ہدایات پر عمل نہ کیا گیا تو نتیجہ اچھا نہیں لگلے گا۔“

”لو بھی! اکرام تو بخیج گیا... خیریہ فورس کے ارکان بھی بخیج

پکے ہوں گے... لیکن۔۔۔ اپکر جمیل کہتے کہتے رک گئے۔

”کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہ لوگ ہم سک نہیں پہنچ سکیں گے۔۔۔“

”یقین سے تو خیر یہ بات نہیں کہی جاسکتی... اکرام بھی آخر ہمارا ساتھی ہے... مگر بھی میری خواہش ہے کہ اکرام اپکر کامران مرزا کو بلا لے۔۔۔“

”آئیں!“ انہوں نے ایک ساتھ کہا۔

”اور اب یہروں آوازیں بند کر دی گئی ہیں... گویا ہم اب کچھ نہیں سن سکیں گے... تب پھر ہم آرام کیوں نہ کریں... آؤ سوتے ہیں۔۔۔“

انہوں نے کہا اور فرش پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں... اکرام کی دیکھادیکھی... انہوں نے بھی آنکھیں بند کر لیں... 0

”بالکل۔۔۔“ اس نے کہا۔

”خوب! آپ میرے ساتھ امداد تشریف لے چلے۔۔۔“

”میں اکیلانہیں جاؤں گا... میرے ساتھ میرے دوساری چیزوں کے... باقی باہر ٹھہریں گے... آپ کی تعریف۔۔۔“

”میرا نام زدار خان ہے... ہوٹل کا نائب فوجر ہوں۔۔۔“

”اوہ شجرا صاحب؟“

”وہ آج چھٹی پر ہیں... ان کی عدم موجودگی میں میں یہ فوجر ہوں۔۔۔“

”ٹھکریہ چلے پھر۔۔۔“ اکرام نے کہا اور محمد حسین آزاد اور تو حید کو بھی ساتھ چلنے کا اشارہ کیا... باقی ساتھیوں کو اس نے اشارہ کیا کہ چوکس رہیں۔۔۔“

ایسے میں اکرام کے دماغ میں ایک خیال نے سر ابھارا... خیال یہ تھا کہ جو لوگ اپکر جمیل، محمود، فاروق، فرزانہ خان رحمان اور پروفیسر داؤد جیسوں کو عاشر کر سکتے ہیں... وہ ان کی کیا دال گلتے دیں گے... اس خیال کا آتا تھا کہ اس نے غیر محسوس اعراز میں جیب سے موبائل ٹکالا اور اپکر کامران مرزا کے فبرڈائل کر ڈالا... فوراً ہی ان کی آواز سنائی دی:

”السلام علیکم... لگتا ہے... گڑ بڑ ہے... صرف یہ تبا

ڈوبے ہوٹل کا صدر دروازہ کھلا اور ایک خوش بیس آدمی باہر لکلا... اس نے اکرام کی طرف بڑھتے ہوئے کہا:

”یہ اعلان آپ کی طرف سے کیا گیا ہے۔۔۔“

تھے... انہیں دو تین سکنے ہو گئے... وہ باہر نہیں لٹکے... ان کے موبائل بھی بند ہیں... چونکہ انہیں ہوٹل سے باہر نہ لٹکتے ہوئے نہیں دیکھا گیا... اس لیے ہم ہوٹل کی ٹلاشی لیں گے۔“

”آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ انہیں باہر نہ لٹکتے ہوئے نہیں دیکھا گیا... کیا باہر کوئی دور بین لگائے بیٹھا تھا۔“ اس نے طور پر انداز میں کہا۔

”وہ اتنے چھوٹے نہیں ہیں کہ باہر دور بین لے کر بیٹھنا پڑتا۔“ تو حیدر احمد نے منہ بنا یا۔

”میرا مطلب ہے آپ کو یہ بات کیسے معلوم ہو گئی۔“

”وہ اندر جانے سے پہلے اپنے کچھ ساتھیوں کو باہر چھوڑ گئے تھے... وہ مراد باہر رہے ہیں۔“

”ہوٹل سے باہر نہ لٹکنے کے کئی راستے ہیں... ہو سکتا ہے... وہ کسی اور راستے سے کل کے ہوں۔“ زوار جان نے جلا کر کہا۔

خوش مسکرا دیے... اور مسکراتے چلے گئے... اس پر اس کا پارہ اور چڑھ گیا:

”یہ کیا... آپ میری بات پر مسکراتے جا رہے ہیں... آپ بات کا جواب دیں تا۔“

”آپ کا جواب ہی ایسا ہے کہ مسکرا پڑ گیا... دیکھئے تا۔...

”دیں... کہاں پہنچنا ہے۔“

”دارالحکومت کے ڈوبے ہوئے۔“

”بس فکر نہ کرو۔“ ان الفاظ کے ساتھ ہی فون بند ہو گیا... اکرام نے وقت دیکھا... دن کے گیارہ نئج رو ہے تھے... اور اگر انہیں فوری طور پر بھی کوئی پرواہ جاتی تو وہ ڈیڑھ سکنے کے اندر بیہاں بیٹھ کتے تھے... کویا انہیں ٹلاش کے بھانے اس جگہ ڈیڑھ سکنے اگر زار نہ تھا۔

اندر سکنے کی دیواروں والے ایک کیمن کے دروازے پر رکتے ہوئے زوار جان ان کی طرف ہڑا:

”یہ میرا آفس ہے... پہلے تو آپ بھاں تشریف رکھیں... ہم دو دو باتیں کر لیں... پھر جو آپ کو کرتا ہے... کر لیجیے گا۔“

”اچھی بات ہے۔“ اکرام یہ کہتے ہوئے دل عیادل میں مسکرا یا... وہ تو خود یہ چاہتا تھا کہ زیادہ سے زیادہ وقت گزار دیا جائے تاکہ ان پکڑ کامران مرزا بھیج جائیں... کیمن میں کرسیوں پر بیٹھ جانے کے بعد زوار جان نے کہا:

”اب تماں میں... آپ ہوٹل کی ٹلاشی کیوں لینا چاہئے ہیں۔“

”ایک سرکاری محلے کے کچھ لوگ ہوٹل میں داخل ہوئے

جو لوگ اندر جاتے ہوئے اپنے چھ ساتھیوں کو باہر چھوڑ جائیں... وہ چاہے ہوٹل کے کسی بھی دروازے سے لٹکیں... آئیں گے تو اپنے ساتھیوں کے پاس... اور پھر جب کہ ان کی گاڑی بھی پارکنگ میں موجود ہے... تو وہ کہیں اور کیوں جانے لگے...“

”اوہ۔“ زوار جان کے منہ سے لکلا... آخر اس نے کہا:

”آپ کے پاس ٹلاشی کے وارث ہیں۔“

”ٹلاشی کے وارث حاصل کرنے میں کیا دریگتی ہے... لیکن آپ کے لیے بہتر یہ ہوا کہ وارث بغیر ہمیں ٹلاشی لینے دیں۔“

”ہرگز نہیں... جب تک آپ وارث نہیں لائیں گے... ٹلاشی نہیں لینے دی جائے گی۔“

”اچھی بات ہے... میں منہ لیتے ہیں... ان کے لیے کہیں جانے کی ضرورت نہیں...“

”اچھی بات ہے، آپ یہاں وارث منگوالیں... میں ہوٹل کے کام کروں... جب وارث آجائیں تبادیں، دروازے پر موجود چہرائی سے کہہ دیجیے گا، یہ مجھے بلا لیں گے۔“

”اچھی بات ہے۔“ اکرام نے کہا اور وہ میز سے بڑے منہ بنا تا چلا گیا۔

اب اکرام نے آئی جی صاحب کے نمبر طایا... ان کی

آوازن کر اس نے کہا:

”سر اہم نے ہوٹل ڈوبے کو پوری طرح گھرے میں لے لیا ہے... ادھر ان پکٹر کا مران مرزا کو بھی فون کر دیا ہے... بہتر انداز میں تو وہی ٹلاشی لے سکتی گے... اور ہمیں ان کے آنے تک وقت بھی گزارنا ہے... ادھر یہ لوگ وارث کا مطالبہ کر رہے ہیں۔“

”ٹھیک ہے... میں وارث بھجوادیتا ہوں... تم اپنے طور پر ٹلاشی شروع کر دو... میں ان پکٹر کا مران مرزا سے معلوم کرتا ہوں... وہ کتنی دیر میں پہنچ رہے ہیں۔“

اس نے موبائل بند کر دیا... آخر آدھ کھٹے بعد وارث پہنچ گئے... لیکن اکرام نے زوار جان کو نہ بلا یا... وہ تو چاہتا تھا... ان پکٹر کا مران مرزا بھی آئی جائیں... ورنہ پھر ہوٹل کی انتظامیہ اعتراض کرتی کہ ابھی تو آپ لوگوں نے ٹلاشی لی ہے، اب پھر ٹلاشی دیں... آخر ان پکٹر کا مران مرزا وہاں پہنچ گئے... زوار جان کو بلا لیا گیا... ادھر اکرام انہیں حالات بتا چکا تھا... زوار جان نے اندر داخل ہو کر کہا:

”دکھائیے جناب وارث۔“

اسے وارث دکھادیے گئے... اب اس نے کہا:

”ٹھیک ہے... ٹلاشی لے لیں۔“

”ہمیں پہلے ہوٹل کے مالک سے ملوائیں۔“

”وہ ملک سے باہر گئے ہوئے ہیں۔“

”ان کے بعد یہاں کے ذمے دار۔“

”آج تو پھر میں ہی ہوں... کیونکہ فیجر صاحب چھٹی پر
ہیں۔“

”خوب! ہمروں کا رجسٹر لے آئیں۔“

”فیجر دل کا رجسٹر... اس کا آپ کیا کریں گے۔“

”آپ سے جو کہا ہے... کریں۔“ انپکٹر کامران مرزا سرد
آواز میں بولے۔

”امہمی بات ہے۔“

یہ کہہ کر اس نے کسی سے موبائل پر رجسٹر لانے کے لیے
لے کر... فوراً رجسٹر آگیا... انہوں نے ایک نظر اس پر ڈالی... پھر
بولے:

”رجسٹر میں تمام ہیرے حاضر ہیں... صحیک ہے۔“

”ہاں... صحیک ہے۔“

”آپ ان تینوں کو ساتھ لے جائیں... ہال کے

13 ہیرے ہیں... تمہارے پورے کرادیں۔“

”کیا مطلب؟“

”تیرہ ہیرے پورے کرادیں... اگر کوئی کم ہو اور کہیں گیا
ہوا ہے تو موبائل سے اسے ہدایات دیں کہ وہ فوراً یہاں آجائے۔“
”یہ ہوٹل کی تلاشی لینے کا کون سا طریقہ ہے۔“ اس نے جعلے
کے انداز میں کہا۔

انپکٹر کامران مرزا پھر پورا انداز میں مسکرا دیے... پھر
پہلے:

”دیکھیے... ہم جانتے ہیں، ہمارے ساتھی یہاں آئے
تھے... ہمیں اس میز کے بارے میں بھی معلوم ہے... جس پر وہ بیٹھے
تھے... وہ میز اس وقت سے خالی پڑی ہے... کیونکہ میز آج کی تاریخ
کے لیے ان کے نام رجسٹر کی جا چکی ہے... اس بات کا جواب آپ کو
دینا ہے... درستہ ہم آپ کو یہاں سے اپنے دفتر لے جائیں گے۔“
”یہ کیا مذاق ہے۔“

”یہ مذاق نہیں... بلکہ یہ دیکھو... یہ... یہ ہے۔“
اب ان کے ہاتھ میں پستول نظر آیا:



موت کا کمرہ

کیمن میں سفنتی کی لہر دوڑگئی... زوار جان نے پریشان نظر دل سے ان کی طرف دیکھا... پھر بولا:
 آپ جو پوچھتا چاہیں، پوچھ لیں۔
 ہم ہوٹل کے ایک مستقل گاہک سے بھی ملتا چاہتے ہیں۔
 ”مستقل گاہک... کیا مطلب؟“
 ”وہ عام طور پر ہوٹل ہی میں رہتا ہے۔“
 ”اس کا نام بتادیں۔“
 ”ہاں ضرور... کیوں نہیں... اس کا نام ہے...
 زاران۔“

اس کے چہرے پر حیرت کی بجلی چمکی... لیکن پھر فوراً
 ہی اس نے خود پر قابو پالیا... اتنی دیر میں وہ بھی بھانپ پکے تھے کہ
 اسے زاران کا نام سن کر حیرت ہوئی ہے... ادھر اس نے کہا:
 ”میں نے یہ نام پہلی بار سنایا ہے... ہمارے ہوٹل میں اس

نام کا کوئی شخص نہیں سمجھ رہا ہوا... آپ رجڑ چیک کر لیں۔“
 ”نہیں سمجھی... ہم آپ سے پوچھیں گے... وہ بھی یہاں
 نہیں... خوالات لے جا کر، اکرام اسے لے چلو۔“
 ”کیا مطلب... آپ مجھے کس قانون کے تحت لے جانا
 چاہتے ہیں... میں نے کیا جرم کیا ہے۔“
 ”ہم آپ کا جرم بھی بتائیں گے... فکرنا کریں... اور اگر
 اپنی بچت چاہتے ہیں تو پھر یہ بتادیں... وہ لوگ کہاں ہیں... جو میز
 نمبر 13 پر آ کر بیٹھے تھے۔“
 ”شاید کوئی غلط تھی ہو گئی آپ کو... میں ہمیذ ہیرے سے بات
 کر لوں چاہلے... کیا آپ مجھے ایک منٹ کی مہلت دیں گے۔“
 ”آپ غائب ہونے کی کوشش کریں گے... لہذا مہلت
 نہیں دی جائے گی۔ آپ ہمیذ ہیرے کو میہیں بلا لیں۔“
 ”اچھی بات ہے۔“ یہ کہہ کر اس نے موبائل ٹکال کر کسی کو
 ہدایات دیں... جلدی لمبے قد کا ایک بارعہ شخص اندر داخل ہوا
 ... اس کے جسم پر درسرے ہمیڈ دل سے مختلف دردی تھی:
 ”لیں سرا!“

”تیوری... آج کی تاریخ میں میز نمبر 13 کس کے نام
 رجڑ رہے۔“ اس نے پوچھا۔

”سراد بیکر جاتا کہا ہوں۔“

”تو ذرا جلدی دیکھ آؤ۔“ اس نے فوراً کہا۔

”میں نہیں!“ ایسے میں فرحت بول انھی۔

”کیا کہنا چاہتی ہیں۔“

”کسی بیرے کے ذریعے رجڑ پہنچنے ممکن نہیں۔“

”اچھا۔“ اس نے جلا کر کہا اور کسی بیرے کو ہدایات دیں۔

ایک بیرا جلد ہی رجڑ اٹھائے اور داخل ہوا... اب

زدارجان نے تیموری سے کہا:

”اس میں دیکھ کر تباہ۔“

اس نے رجڑ کھولا... صرف چند یکنڈ بعد اس نے کہا:

”مرجہشید ایڈ کمپنی کے نام رجڑ ہے۔“

”یہی ہم کہتے ہیں... ان لوگوں کو اندر آئے سب نے دیکھا ہے، لیکن ہوٹل سے نکلنے کسی نے نہیں دیکھا۔“ انپکڑ کاران مرزا سکرائے۔

”کسی اور دروازے سے کل گئے ہوں گے... یا پھر ہوٹل میں کہیں کسی سے ملنے کے لیے گئے ہوں گے...“

”جب پھر ان سب کے موبائل کوں بدیں ہیں... کسی اور دروازے سے کل گئے ہیں تو گاڑی تک کوں نہیں پہنچے... گاڑی تو

اب تک پارکنگ میں کھڑی ہے... لہذا ہم ہوٹل کی علاشی لیں گے۔“

”آپ علاشی لے لیں۔“ اس نے بڑا اسمانہ بنایا۔

وہ فوراً انھوں کھڑے ہوئے۔ اس وقت زدارجان نے

کہا:

”لیکن ایک بات یاد رکھیے گا... اگر آپ علاشی لینے پر بھی وہ لوگ نہ ملے تو کل کے اخبارات آپ کا خوب مذاق اڑائیں گے... میں نے تمام اخبارات کے روپورٹوں کو فون کر دیے ہیں۔“

”یہ آپ نے بہت اچھا کیا ہے... ہم اخبارات والوں کو کچھ بھی لکھنے سے نہیں روکیں گے... ویسے ایک بات آپ بھی جان لیں۔“ یہ کہتے ہوئے انپکڑ کاران مرزا سکرائے۔

”اور وہ کیا؟“

”یہ کہ اگر ہمارے ساتھی ہم نے یہاں سے برآمد کر لیے تو پھر کل کے اخبارات اس ہوٹل کے خلاف بھی بھرے پڑے ہوں گے۔“

”ایسا ہو گا ہی نہیں... لہذا ہمیں کیا پرودا ہو سکتی ہے۔“

زدارجان نے اور زیادہ مذہب بنایا۔

”جلیسی پھر... دیکھتے ہیں... کیا ہوتا ہے۔“ انہوں نے کندھے اچکائے۔

... آپ ہوٹل کے مالک اور فیجر کے نام بتا دیں۔“
”مالک کا نام قائم جان جاسانی ہے اور فیجر کا نام ہے نواب
شاہ۔“

”خوب... پہلے ہمیں قائم خان جاسانی کے کمرے کی طرف
لے چلیں۔“

”وہ سب سے اوپر والی منزل پر ہے...“ یہ کہتے ہوئے وہ
قدرے مسکرا کر ایسا۔ انہیں اس کی یہ ہلکی سی مسکراہٹ بہت عجیب لگی...
انہوں نے بغور اس کی طرف دیکھا، پھر بولے:

”تو پھر چلیں لفت کی طرف۔“

لفت کے ذریعے وہ اوپر آئے... اب وہ جاسانی کے
کمرے کے سامنے تھے:
”تلا آپ کھول دیں تو بہتر ہے گا... ورنہ ہم تو پھر کھول
ہی لیں گے۔“

”آپ خود کھولیں۔“

”اچھی بات ہے۔“

انہوں نے ماstry چابی سے صرف چند سکنڈز میں تلا کھول
لیا۔ یہ دیکھ کر زوار جان حیران رہ گیا:

”کوئی... حیران کوئی ہوئے۔“

اور پھر تلاشی کا عمل شروع ہوا... انہوں نے مسافروں
کے کمروں کی طرف رُخ بھی نہیں کیا... سب سے پہلے ہوٹل -
مالک کا کمرہ دیکھنے کی خواہش کی... اور فیجر کا بھی۔ زوار جان -
اس کے جواب میں کہا:

”ہوٹل کے مالک کا کمرہ تو ہم نہیں دکھاسکتے... کیونکہ وہ
یہاں ہی نہیں... رہے فیجر صاحب! وہ جمیشی پر ہیں... دو دن باہ
آپ ان کا کمرہ بھی دیکھو لیجیے گا۔“

”جی نہیں۔“ ان پکڑ کا مردانہ رضاخت لجھ میں بولے۔

”جی نہیں... کیا۔“

”ہم ابھی اور اسی وقت دیکھیں گے...“

”لیکن وہ تالا لگا کر گئے ہیں۔“

”ہم آپ کے سامنے تلا کھول لیتے ہیں... تلاشی بھی آپ
کے سامنے لے لیتے ہیں... آپ ان سے موبائل پر بات کر لیں۔“

”ان کے موبائل ہند ہیں۔“

”گویا آپ ان کے کمرے نہیں دکھائیں گے۔“

”مجھے اجازت نہیں... آپ اپنی ذمے داری پر دیکھنا
چاہیں تو دیکھ لیں۔“

”ہاں! کیوں نہیں... ہم اپنی ذمے داری پر دیکھیں گے“

”جاسانی صاحب کا کہنا تھا کہ ان کے کمرے کے دروازے پر لگاتا اُن کے علاوہ کوئی نہیں کھول سکتا...“
 ”خیر... اب آپ اندر چلیں۔“
 ”تلائی آپ کو لئتی ہے... آپ اندر جا کر تلائی لے لیں، میں یہیں نمیک ہوں۔“
 ”نہیں... آپ ساتھ چلیں۔“
 ”میں نہیں... میں نہیں جاؤں گا... درست آپ کوئی الزام نہ دیں گے۔“

انہوں نے اچانک اسے بازو سے پکڑا اور دروازے کی طرف بڑھے:

”یہ... یہ کیا کر رہے ہیں۔“ وہ مارے خوف کے چلا اٹھا۔
 انپکڑ کامران مرزا رک گئے:
 ”کیا بات ہے... آپ کے چہرے پر اتنا خوف کیوں آگیا۔“

”نن نہیں... مم... میں اندر نہیں جاؤں گا۔“
 اب انہوں نے اسے دونوں ہاتھ سے پکڑا اور اوپر اٹھا لیا:

”میں آپ کو کمرے کے فرش پر جینکنے لگا ہوں۔“

”نہیں!!!“

وہ بہت زور سے چیخ پڑا... ان کی حرمت کا کیا پوچھنا۔ آخر انہوں نے اسے فرش پر اتار دیا... اور بولے:
 ”آخر بات کیا ہے... آپ اس قدر خوف زدہ کیوں ہو گئے... یہ ہوٹل کے مالک کا کمرہ ہے... اس میں ایسی کیا بات ہے... جلدی بتا گیں... ورنہ۔“ ان کا لہجہ حدود بے سر و ہو گیا۔
 ”یہ... یہ موت کا کمرہ ہے۔“ اس نے بہت مغلک سے کہا۔
 کیا کہا... موت کا کمرہ۔“
 ان سب کے منز سے لگا:



نی دنیا
چد لمحے کے عالم میں گزر مجھے۔ اخزادار جان
لے کہا:

”جونی کوئی اس کرے کے فرش پر قدم رکے گا... فرش
میں ایک خلامودار ہو گا اور وہ نیچے جا گرے گا...“

”بہت خوب! تو ہمارے ساتھی بھی اس خلا کے ذریعے نیچے
جا گرے ہیں۔“

”بھی کہا جاسکا ہے... میں اس وقت یہاں نہیں تھا جب وہ
آئے... میں اتنا پہاڑ ہے... کہ وہ لوگ نہیں آئے تھے... اس وقت
ہوٹل کا مالک اندر تھا... اس نے انہیں اندر بلالیا تھا اور پھر لیور کھینچ دیا
تھا... یعنی جب تک لیور نہ کھینچا جائے... وہ خلامودار نہیں ہوتا۔“

”تب پھر اس وقت ہمارے اندر جانے سے خلا کیسے مودار
ہو جائے گا۔“

”جاسانی صاحب جب جاتے ہیں تو لیور کھینچ کر جائے

ہیں... فرش اس وقت برابر نظر آ رہا ہے... میں کوئی بھلی سی وزن
والی چیز کو بھی اپنے اوپر نہیں روک سکتا۔“

”ہوں... لیکن نیچے گرنے والے کہاں ہیں، کس حال میں
ہیں، ہم ان تک کس طرح پہنچ سکتے ہیں۔“

”آپ کا ساتھ دینے کی صورت میں باس مجھے زندہ نہیں
چھوڑے گا... اور نہ بتاؤں تو آپ مجھے نہیں چھوڑیں گے... لہذا پہلے
یہ بتائیں... میں کیا کروں۔“

”آپ قانون کا ساتھ دیں۔“ اپکڑ کامران مرزا بولے۔
”تو باس سے مجھے آپ پہنچائیں گے۔“

”پہنچانے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے... ہم اپنا کام کریں
گے... آپ کا ہر طرح ساتھ دیں گے... اور قانون بھی آپ کو
رعایت دے گا... آپ ہمیں فوراً اس جگہ لے چلیں... جہاں اس
فرش سے نیچے گرنے کے بعد وہ لوگ پہنچے ہیں۔“

”آئے پھر... میں پہلے آپ مجھے لکھ کر دیں کہ آپ مجھے
قانون کی گرفت سے بھی پہنچائیں گے اور جاسانی سے بھی۔“

”اجھی بات ہے...“ انہوں نے سکرا کر کہا اور ایک کافر
پر اسے لکھ کر دیا۔
”میٹی۔“

وہ فوراً واپس دوڑ پڑے اور اس جگہ پہنچے جہاں سے
چھلا دروازہ کھول کر برآمدے میں داخل ہوئے تھے۔ انہوں نے
دیکھا، بہاں بھی لو ہے کی دیوار ان کے استقبال کے لیے تیار کمری
تھی:

”یہ کیا... یہ شخص تو ہمیں چکر دے گیا۔“

”آفتاب نے براسامنہ بنایا۔“

”چلو کوئی بات نہیں... کبھی تم بھی اسے چکر دینا۔“ آسف مکرا یا۔

”وہ تو اس صورت میں دوں گانا جب بہاں سے کسی طرح
قفل میں گئے اور اگر ہمیں بھوکے پیاسے مارے گئے تو کیسے اسے چکر
دیں گے۔“

”تو ہے ہے تم سے، ان حالات میں بھی اپنی بھارے
جاری ہیں۔“ فرحت جل گئی۔

”چلو! اب تم اپنے ڈیڑھ امتحان کی مسجد بنالو۔“

”ادھر ان پکڑ کا مران خاموش تھے... یہ بات محوس کر کے
وہ ان کی طرف ہڑتے۔“

”آپ کس سوچ میں ہیں۔“

”ہم سب کے گرد خوب سوچ سمجھ کر جال بنایا گیا ہے۔“

وہ انہیں ہوٹل کی محلہ منزل پر لے آیا... وہاں سے اس
نے بچھلے دروازے کی طرف رخ کیا۔ اس پر تالا لگا تھا... اس نے
جیب سے چابی تکال کرتا لکھوا اور دروازہ کھلتے ہوئے بولا:
”آئیجے۔“

انہوں نے دیکھا... وہ ایک برآمدے میں تھے...
برآمدہ گولائی لیے ہوئے تھا:

”اس برآمدے میں دائیں پڑنے جائیں... آپ کی ملاقات
اپنے ساتھیوں سے ہو جائے گی... اسی راستے سے ہم واپس آجائیں
گے.. لیکن پہلے آپ فورس کو بلا لیں۔ کیونکہ بات کچھ بھی کر سکا
ہے۔“

”پہلے ہم اپنے ساتھیوں کے پاس جائیں گے... فورس بعد
میں بلوائیں گے۔“

”آپ کی مرضی... آئیجے۔“ اس نے کہا اور وہ ان کے
آگے آگے چلنے لگا... وہ تقریباً تین منٹ تک چلتے رہے پھر اچاک
ان کے سامنے لو ہے کا ایک جھکڑا آگرا، لیکن اس میں سوراخ نہیں
تھے... ایک طرح سے لو ہے کی چادر آگری تھی۔ ساتھ ہی انہوں نے
زوار جان کا قہقہہ بنایا... وہ کہہ رہا تھا۔
”کیون... کیا اُلوہ بنایا۔“

یہ دونوں پارٹیاں ایک دوسرے کے لگے سے لگ گئیں۔“

”جیل خانے میں ملاقات مبارک ہو۔“ محمود کی آواز سنائی دی۔

”مج... جیل خانے میں ملاقات...“ فاروق کھونے کھونے انداز میں بولا۔

”لگ... کیا ہوا... خبر تو ہے۔“ آف نے گمرا کر کہا۔

”مم... میرا مطلب ہے... یہ تو کسی نادل کا نام ہو سکتا ہے۔“ فاروق مسکرا یا۔

”دھن تیرے کی۔“

”چلا چھا ہوا... خوب گزرے کی جوں بیٹھیں گے دیوانے بہت سے۔“ فرحت نے جھوم کر کہا۔

”لو... محاورے کی جگہ اسی دی۔“

”اوہ یہ کیا... اکرام تم بھی ساتھ ہو۔“ اسپر جشید کی آواز سنائی دی۔

”مجی ہاں... جہاں آپ، وہاں میں۔“

”لیکن یہاں برآمدے میں وقت کیسے گزرے گا۔“

”ادھر آجائیں... سب لوگ... یہ پوری ایک جیل ہے۔“

”کیا... کہا... جیل؟“ ان سب کے منزے کلا۔

”آپ کا مطلب ہے... صرف ہم سب کے گرد یا اکل جشید پارٹی کے گرد بھی۔“

”ہاں: ان کے گرد بھی اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں سے کوئی ایک دیوار ضرور اور اٹھ جائے گی... اس وقت تو مقصد زوار جان کو ہماری بھنگ سے دور لے جانا تھا۔“

میں اس لمحے انہوں نے گڑگڑ کی آواز سنی... وہ بھاگ کر دوسرے دروازے کی طرف آئے... وہ واقعی اور اٹھو چکا تھا... گویا ان کے لیے راستہ صاف تھا... اب وہ اس پر چل پڑے... بھی چدمٹھی چلتے ہوئے گزرے تھے... کہ کسی کے سکنا نے کی آواز سنائی دی... آواز درد بھری تھی... اور زبان پر یہ القاط تھے:

انتظار نے تیرے خوب دکھایا لہرا

صحح سے شام ہوئی، شام سے سورا

”ارے... ہائیں... یہ کیا۔“ وہ ایک ساتھ چلا اٹھے۔

فوراً یہ ایک آواز ابھری:

”تو پھر ہماری طرف سے بھی ارے ہائیں... وصول

کر لیں۔“

یہ آواز فاروق کی تھی... وہ آواز کی طرف دوڑ پڑے... ادھر سے بھی دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی... اور پھر

”ہاں پر ایجور ہے جیل... بس کی جیل۔“ محمود نے کہا۔
”باس کی جیل... لگ... کون بس۔“
”شاید ڈوبے ہوں کا مالک ہی اس جیل کا بھی مالک
ہے... اور یہ سارا چکرا سی کا ہی چلا یا ہو ہے۔“
”لیکن چکر ہے کیا۔“

”بینچہ کربات کرتے ہیں... آئیے۔“

چھوڑ قدم چلنے پر باکس طرف ایک دروازہ نظر
آیا... اب وہ اس دروازے میں داخل ہوئے... انہوں نے
دیکھا... وہ ایک کشاورہ برآمدہ تھا۔ اس کے دونوں طرف جیل نما
کوٹھریاں نہیں تھیں... لیکن ان کوٹھریوں پر سلاخوں والے جنگلے نہیں
تھے... گویا ان پر دروازے تھے ہی نہیں... یعنی بغیر دروازوں کے
کوٹھریاں تھیں:

”یہاں صرف ہم ہی ہیں یا کچھ اور لوگ بھی ہیں۔“
”یہاں بہت سے اور لوگ بھی موجود ہیں...“ الپکڑ جمیش
نے کہا۔

”لیکن یہ چکر کیا ہے۔“
”ہم غیر محسوس طور پر آپنے ہیں... آئیں... اندر بینچے
ہیں... میں آپ لوگوں کو تفصیل سناتا ہوں...“

”پہلے تو یہ بتا دیں اکل... یہ لوگ کھانے پینے کو بھی دیتے
ہیں یا نہیں۔“ آفتاب نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔
”ہاں! دو وقت کھانا دیتے ہیں۔“
”بہت اچھا سوال پوچھا آفتاب۔“ پروفیسر داؤنے خوش
ہو کر کہا۔

”ہاں اکل... ہم بہت سے چین ہیں یہ جاننے کے لیے کہ
اپ آخر کس طرح بھنس گئے۔“ آصف بولا۔
”بھنس تو آپ لوگ بھی گئے ہیں۔“ فاروق نے منہ بنا یا۔
”بھی بات سمجھی ہے کہ ہم سب اس وقت ایک ہی کشتی کے
سوار ہیں... میں وضاحت کرتا ہوں... ہم لوگ وادی فرقاب کی سیر
کے لیے لگتے تھے اور یہ تحریر کر کے لگتے تھے کہ کسی کیس میں نہیں الجھیں
گے... اور شاید زندگی میں پہلی بار ایسا ہوا کہ ہم سیر کے مقام تک بغیر
کسی کیس میں الجھے بیٹھ گئے اور واپس بھی لوٹ آئے... شہر کے
کنارے پر ایک بورڈ پر لکھی تحریر نے خان رحمان کو اس وقت اپنی
طرف متوجہ کر لیا تھا جب ہم سیر کے لیے روادہ ہوئے تھے... وہ ایک
حوالی اور ساتھ کوئی زمین کی فروخت کا بورڈ تھا... اس وقت خان
رحمان نے رکنا چاہا تھا... ہم رک بھی گئے تھے... لیکن پھر خوف
محسوس کر کے کہ کہیں کیس میں نہ الجھ جائیں... آگے پہنچے گئے

تھے... تاہم خان رحمان نے حویلی اور زمین کے مالک سے وعدہ کیا کہ واپسی پر وہ یہ خریدیں گے۔ چنانچہ ہم وہاں رکے۔ حویلی اور زمین کو دیکھا، لیکن ڈرائیکٹ روم میں ہمیں ایک تصویر نظر آئی۔ ہمارے پوچھنے پر حویلی کے مالک داراب خان شیرش نے بتایا کہ یہ تصویر اس کے بڑے بھائی سرخاب خان شیرش کی ہے جو دس سال پہلے غائب ہو گیا تھا اور آج تک لوٹ کر نہیں آیا۔ وہ تصویر مجھے کچھ جانی پہچانی سی گلی... خیر خان رحمان نے وہ جائیداد وغیرہ خریدی... داراب خان نے بتایا کہ وہ ایک کرائے کے مکان میں جا رہا ہے... ہم نے اس کا ہاتھ لیا۔ جب ہم اس سے ملے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے وہ مکان بہت چھوٹا سا اور بالکل گھٹیا تھا۔ جب کہ اس نے حویلی اور زمین ایک کروڑ کی فروخت کی تھی... اب یہ بات ہم لوگوں کے لیے حیرت کی تھی کہ ایک کروڑ کا مالک اس قدر معمولی مکان کرائے پر لے... جب ہم نے اس سے یہ کہا تو وہ بچھت پڑا کر کوئی اسے بلیک میل کر رہا ہے... اور یہ کہ وہ تمام رقم اس نے بلیک میلر کو دے دی ہے۔ یہ بات ہمارے لیے اور زیادہ حیرت کی تھی... ہم نے سوچا... وہ مخفی نہ جانے کتنے اور لوگوں کو بلیک میل کر رہا ہو گا... کیون نہ اس کا سرانع لگا کر لوگوں کو اس سے نجات دلائی جائے... بس ہم تو اس نیک ارادے سے اس کام پر جیتے تھے... یہ معلوم نہیں تھا کہ بلیک میلر ہمیں

بھی ٹکرایا گا... دراصل وہ کوئی عام آدمی نہیں ہے... مجھے چونکہ داراب خان کی حویلی کے ڈرائیکٹ روم میں اس کے بھائی کی تصویر جانی پہچانی لگی تھی... اور داراب خان نے اپنے بھائی کی گمشدگی کی روپورٹ درج کر دی تھی... اس لیے میں نے تھانے سے ریکارڈ ٹکلوایا... لیکن پولیس نے اس کی گمشدگی کے سلسلے میں کوئی کارروائی نہیں کی تھی... اخبارات کی قائل سے ہمیں معلوم ہوا، انہیں دونوں ایک قتل ہوا تھا... متحول کی لاش کی تصویر داراب خان کے بھائی سرخاب خان کی تصویر سے ملتی جلتی تھی... اس لاش کے پاس سے ایک سونے کی زنجیر بھی ملی تھی۔ اس زنجیر میں انگریزی کا حرف 'Z' تھا... اکرام نے اس حرف اور تصویر کی مدد سے بتایا کہ یہ زنجیر زاران کی ہے اور زاران کا تعلق ہوٹل ٹو ٹوبے سے ہے، اس طرح ہم ہوٹل ٹو ٹوبے پہنچ گئے... یہاں ہم نے میز نمبر 13 بک کر لائی، اس کے پیرے سے ہم نے زاران کے بارے میں معلوم کرنا چاہا... لیکن اس کے منہ سے ہوٹل کے مالک کے بارے میں اور اپنی زندگی کے بارے میں کچھ جملہ کل کھے... مالک نے اسے فوراً طلب کر لیا... پیرا لگا تھر تھر کاپنے... اس نے بتایا کہ اب مالک اسے جان سے مار ڈالے گا... بس ہم اس کی مدد کے چکر میں اس کے ساتھ اور پر آگئے... اور زاران کا پتا چلانے کی بجائے... پیرے کی ہمدرزی میں اس جیل میں

پہنچے۔“

”اور ہوٹل کے مالک کا کہنا ہے کہ وہ بیک میڈر ہے۔“ فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

”ہاں! یہ بات بھی ہے۔“

”مطلب یہ کہ مجرم ہمیں خود ہی اپنے قریب لے آیا...“ آصف مسکرا یا۔

”اپنے قریب نہیں... اپنی جیل کے قریب... وہ خود نہ جانے کہاں ہے۔“

”یہاں رکھنے سے اس کا مقصد کیا ہے۔“

”یہاں جو لوگ قید ہیں... وہ سب کے سب بہت دولت مند ہیں... یہ بیک میڈر ان سے بڑی رقمیں وصول کرتا ہے... جو ذرا اکثر ہے... اس کا کھانا اور پانی بند کر دیتا ہے۔“

”کھانا اور پانی دینا کیسے ہے۔“ انپکڑ کامران مرزا بولے۔

”اوپر دیکھیں... کافی اوپنجی چھت ہے... اس چھت میں چوکور سوراخ ہیں... ان سوراخوں میں سے رسیوں کے ذریعے کھانا اور پانی لٹکایا جاتا ہے... جو رقم کی ادائیگی نہیں کرتا ہے... اس کی چھت کا سوراخ نہیں مکھتا۔“

”اور پر رقم کس طرح وصول کرتا ہے۔“

”چیک بیکیں ان لوگوں کے گھروں سے اپنے آدمی بھیج بھیج کر منکروالی ہیں... مطلب یہ کہ ان لوگوں نے رفتے لئے کہہ کر اپنے گھر والوں کو بھیج کر آئے والوں کو چیک بیکیں دے دیں... ورنہ یہ بیک میڈر ہمیں جو کامیابی مار دے گا... اور پہنچ بیکس ختم ہونے کے بعد چھوڑ دیتا ہے۔ لیکن کنگال کر کے چھوڑتا ہے... اس کا خطرہ ہے کہ چھوڑ دیتا ہے... جان سے نہیں مارتا۔“

”رہا ہو نے والے ساری بات پولیس کو کیوں نہیں بتاتے۔“

”وہ انھیں اس حد تک خوف میں جلا کر دیتا ہے کہ کوئی بھی پولیس کو کچھ نہیں بتاتا... اس کے باوجود پولیس کو کوئی مرتبہ ہوٹل ٹو بے پوریک گز رہا... اس کی علاشی لی گئی... لیکن کچھ نہیں سکا... پولیس ہوٹل کی علاشی لیتے لیتے بھک آگئی ہے... اور اب تو گوپا اس نے تو بہ کر لی ہے... کہ ہوٹل ٹو بے کی علاشی نہیں لے گئی۔“

”جلیے... اب سوال یہ ہے کہ ہمارا کیا پروگرام ہے... کیا ہمارے پاس محمود کا چاوتونگیں ہے۔“ انپکڑ کامران مرزا نے کہا۔

”محمود کا چاوتون ہے پر کام کرتا ہے... سیف ث اور نگر ہٹ پر چھیں... ہم کو ٹھری کے دروازے کاٹ سکتے ہیں... لیکن ان پر پہلے ہی دروازے نہیں ہیں... اب ہم ہیں... یہ کو ٹھری یاں ہیں اور یہ بہ آمدہ

ہے... برآمدہ اس قدر نگریٹ کا ہے کہ بس کیا تاؤں۔“

”چلے انکل کوئی بات نہیں، نہ بتائیں۔“ آفتاب بولا۔

”تو کیا اس نے آپ لوگوں کی چیک بھی منگوائی ہیں۔“

”نہیں! ہم لوگوں سے اس نے کوئی مطالبہ نہیں کیا۔“

”ڈر گیا بے چارہ۔“ فاروق نے جلدی سے کہا۔

”لیکن اب جب کہ ہم بھی یہاں پھنس چکے ہیں... اور پاہر موجود ہمارے ساتھی بلکہ اعلیٰ حکام تک کوچا جل چکا ہے... تو کیا ہونگی کی امانت سے امانت نہیں بجادی جائے گی۔“

”اس کا کہنا ہے... اس طرح بھی پولیس ہم لوگوں عکس نہیں پہنچ سکے گی... اور اگر ہوٹل کو گرا یا گیا... تو ہم سب اس کے بے کے نیچے دبے رہ جائیں گے... گویا یہ کوثریاں ہمارے متبرے میں جائیں گی۔“ انپکڑ جشید نے مسکرا کر کہا۔

”اڑے باپ رے... اس قدر خوفناک باعثیں تو نہ کریں۔“ آفتاب نے بوکھلا کر کہا۔

”خیر بتا دو... بتا دو جس قدر خوفناک باعثیں تم مرداشت کر سکتے ہو... اتنی کروں۔“ انہوں نے بے چارگی کے عالم میں کہا اور وہ مسکانے لگے...“

”اور یہاں کل کتنے آدمی ہیں... یعنی ان کوثریوں میں۔“

””ہمارے علاوہ تم کے قریب افراد اور ہیں... یہ تبدیل ہوتے رہتے ہیں، یعنی ان میں سے کوئی لگال ہونے کے بعد یہاں سے چلا جاتا ہے... تو کوئی اس کی جگہ لے لیتا ہے۔“

”لیکن کیسے؟“ وہ سب ایک ساتھ بول اٹھے۔

”جل خانے میں چھوٹوں کے ذریعے گیس چھوڑی جاتی ہے... اس گیس کے اثر سے سب لوگ بے ہوش ہو جاتے ہیں... بس جب آنکھ کھلتی ہے تو بندے تبدیل ہوتے ہیں۔“

”اوہ... اوہ...“

ان کے منہ سے ایک ساتھ لکھا... کیونکہ یہ ایک بات ان کے لیے مفید نظر آئی تھی:

”لیکن ایسا نہ جانے کہتے دنوں بعد ہوتا ہو گا۔“

”یہاں آنے کے بعد اور ساری صورت حال معلوم ہو جانے کے بعد کون ہے... جو زیادہ دیر تک یہاں ٹھہرنا پسند کرے گا... سب لوگ یہ چاہتے ہیں کہ جلد از جلد یہاں سے لکھ جائیں بس، لہذا اپنی ساری دولت اس کے حوالے کر کے لٹکنے کی کرتے ہیں...“

”ہوں... پھر بھی... ہمیں نہ جانے کہتے دن انتظار کرنا پڑے۔“

”مجوری ہے... ایسا تو کرنا پڑے گا۔“

”اچھا اللہ مالک ہے...“
ایسے میں جیل خانے میں ایک آواز اپنی:



دو کروڑ کی مجھ سے

”تم لوگوں کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا... لو... جو کر
سکتے ہو کرلو... آج کی تاریخ میں اور ایک دن کارکنگل ہو گیا... اب
ظاہر ہے، ہم اسے یہاں رکھ کر کیا کریں گے... مخفی میں تو روئیاں
کملانے سے رہے... جو کچھ اس سے حاصل ہو سکتا تھا، وہ ہم کر
سکتے ہیں... اب یہ ایک بیکار لاش ہے... لہذا اسے فارغ کیا جا رہا ہے
نمبر 12...“

”یاں جتاب!“

انہوں نے دیکھا... ایک کھوڑی سے ایک دبلا پٹلا
آدمی دوڑ کر باہر نکلا تھا... اس کے چہرے پر بے تحاشہ خوشی تھی:
”تمہاری رہائی کا وقت ہو گیا ہے... تمہوڑی دیر بعد تم
آزاد ہو گے... یہ سب لوگ تمہاری آزادی کا مhydr بیکھیں گے...
اور یہ حرمت محسوس کریں گے کہ کاش ہم بھی جلد از جلد یہاں سے نکل
 جائیں... تمام لوگ اس کی آزادی کا مhydr بیکھنے کے لیے کوئی بیوں

سے باہر آجائیں... آج سے ہم طریقہ بدل رہے ہیں... پہلے یہ کرتے تھے کہ کیس چھوڑی جاتی تھی... اس سے جیل میں موجود لوگ بے ہوش ہو جاتے تھے... اور ان کے درمیان سے اس آدمی کو اٹھایا جاتا تھا جسے رہا کرنا ہوتا تھا... لیکن آج تم لوگ ایک ایسا طریقہ دیکھو گے... کسی کو بے ہوش نہیں کیا جائے گا...

اور پھر آواز بند ہو گئی... برآمدے کی چھت میں ایک کافی چوڑا سوراخ نمودار ہوا... پھر اس سے ایک جھولا لٹک نظر آیا... جھولا الحب بہ لمحہ نیچے آ رہا تھا... آخر وہ فرش تک آ گیا:

”چلو تم نمبر 12... اس جھولے میں بیٹھ جاؤ... اسی کے ذریعے تمہیں اور پھر کچھ لیا جائے گا... رہائی کی نعمت تمہیں اس لیے حاصل ہو رہی ہے رَتم نے اپنی دولت ہمارے قدموں میں ڈھیر کر دی اور بس۔“

وہ شخص ہدایت کے مطابق جھولے میں بیٹھ گیا... جھولا اوپر اٹھنے لگا... ظاہر ہے... اسے کسی لیور کے ذریعے اور پاٹھایا جا رہا تھا۔ پھر ان کے دیکھتے ہی دیکھتے جھولا چھت سے اوپر ہو گیا اور سوراخ بند ہو گیا:

”کیا اس طرح سے یہ شخص ہمیں یہ احساس دلانا چاہتا ہے کہ ہم لوگ اس کی اس جیل میں بالکل بے بس ہیں۔“ پروفیر داؤڈ بڑ

بڑائے۔

”جی نہیں! یہ اتحت لبے چوڑے انتظامات اس نے ہمارے لیے نہیں کیے... تمام انتظامات پہلے سے چلے آ رہے ہیں... اور یہ شخص کوئی نیا جرام پڑھنے نہیں ہے... بہت پرانا ہے... یہ بلیک سیل بھی ہے اور کرائے کا قاتل بھی... کچھ لوگ اس سے یہ کام بھی لیتے ہیں... جیسے کوئی شخص اپنے کسی دشمن کو قتل کرانا چاہتا ہے... تو وہ اس کے ذریعے یہ کام لیتا ہے اور اسے اس کام کا محاوضہ دیتا ہے... اب یہ اور بات ہے کہ محاوضہ لینے کے بعد بھی یہ اسے بلیک میل کرتا ہے... کیونکہ اس طرح ایسا شخص اس کی مشی میں آ جاتا ہے... اور بالکل ایسا ہی داراب خان کے ساتھ ہوا... غالباً داراب خان نے اپنے بھائی سرخاب خان کو قتل کرانا چاہا تھا... اس نے اس سے معاملہ طے کر لیا... اور اس نے محاوضہ لے کر اس کے بھائی کو مٹھا نے لگا دیا... مٹھا نے لگانے کے بعد داراب داراب خان اس کی مشی میں آ گیا... اس نے اسے بلیک میل کرنا شروع کر دیا... یہاں تک کہ تمام نقدی اس سے وصول کر لی... نقدی کے بعد اس نے اسے مجبور کیا کہ اب وہ اپنی حوالی اور تمام زمین بھی فروخت کر کے رقم اسے دے دے... اس کے بعد وہ فارغ ہو جائے گا... کیونکہ پھر اس کے پاس اسے دینے کے لیے کچھ رہ ہی نہیں جائے گا... بھی وجہ ہے کہ جب اسی نے حوالی

اور زمین خان رحمان کے ہاتھ فر دخت کر دی تو ساتھی دو کرائے کے مکان میں آگیا... کیونکہ تمام رقم تو اس نے اس شخص کو ادا کرنا تھی... بس یہ ہے کل کہانی... اخبارات میں جس لاش کی تصویر شائع ہوئی... وہ دراصل سر خاب خان کی تھی... لیکن داراب خان اسے بھلا اپنے بھائی کی حیثیت سے کیوں پہچانتا... وہ بھی ظاہر کرتا رہا کہ یہ اس کے بھائی کی لاش نہیں ہے... میں نے ڈرائیک روم میں اس کے بھائی کی تصویر دیکھی تھی... تم لوگوں نے بھی دیکھی تھی... مجھے وہ تصویر جانی پہچانی گئی تھی... اور آخر میں نے اخبارات میں وہ تصویر علاش کر لی تھی... اس ساری بات کا مطلب یہ ہوا کہ اب ہم اسی بلیک میل کے بننے میں ہیں اور اس نے ہمارے فرار کے تمام راستے بند کر دیے ہیں... زیر زمین یہ تمام جیل اور برآمدے وغیرہ سخت ترین سکریٹ کے بناؤئے گئے ہیں... میں نے ان دیواروں پر محمود کا چاقو آزمایا تو وہ فل ہو گیا... ان حالات میں آخر ہم کیا کر سکتے ہیں... لیکن پھر بھی ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھیں گے... اپنا کام تو ہمیں کرنا ہو گا... ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ آپ لوگ بھی یہاں آگئے... اب ہماری طاقت دو گناہوں گئی ہے...” انپکڑ جمیل یہاں تک کہہ کر دکھے... اس وقت ایک آواز ابھری:

”انپکڑ جمیل میری تم سے کوئی دشمنی نہیں... نہ میں تم سے

مقابلہ کرتا چاہتا ہوں... لیکن اب مشکل یہ آئی کہ تم میرے پیچے ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہو... اب اگر میں تمہیں رہا کرتا ہوں تو تم مجھے چھوڑ تو دو گے نہیں... لہذا مجبوری ہے... جب تک زندہ رہتا چاہو... اس جیل میں رہ لو... میں تمہیں چانے نہیں مار دیں گا... اپنی موت مر جاؤ تو اور بات ہے... یا پھر اگر اس زندگی سے بھی آجائے تو بتا دیا... تمہیں موت کی غند سلا دوں گا۔“

”خود کو شی خرام ہے... دیے تم صرف یہ بتا دو... میں نے جو تفصیل سنائی ہے... وہ درست یا نہیں۔“ انپکڑ جمیل نے پوچھا۔
”وہ بالکل درست ہے۔“

”تو پھر صرف اتنا اور بتا دو... تم نے داراب خان شمشیر کو کس بخیار پر بلیک میل کیا تھا۔“

”اس نے میرا ہر مطالبہ مانا ہے... یہاں تک کہ اب بالکل کنکال ہو گیا ہے... لہذا میں وعدہ خلافی نہیں کر سکتا...“
”خیر کوئی بات نہیں... تم میں ایک تو اچھی بات ہے... دیے ہم تم سے ایک بات کہنا چاہتے ہیں...“ انپکڑ جمیل نے کسی خیال کے تحت کہا۔

”اور وہ کیا؟“

”تم لوگوں سے اس کی ساری جمع پونچی لے کر انہیں رہا کر

”اوہ!“ اس کے منہ سے لگا۔

پھر ایک دو منٹ تک خاموشی رہی... شاید وہ سوچ میں پڑ گیا تھا... اور اس کا مطلب یہ تھا کہ انپکٹر جمیڈا سے اپنی باتوں میں لے آئے تھے، آخر انہوں نے پھر کہا:

”لگا ہے... تم زیادہ ہی گہری سوچ میں ڈوب گئے ہو۔“

”ہاں! ایسی ہی بات ہے... میں نے تم لوگوں کی تاریخ پڑھی ہے۔“

”کون کی تاریخ... تاریخ پیدائش؟“ فاروق بول پڑا۔

”نہیں... تم لوگوں کی زندگیوں کی تاریخ... لہذا میں یہ خطرہ مول نہیں لوں گا... یہ ہیں کہ واقعی بہت زبردست ہے... لیکن اس کے بعد تم کہاں جیجن سے بیٹھو گے... اور میں ایک بات اچھی طرح جانتا ہوں...“ یہ کہتے ہوئے وہ ہنسا۔

اس کی نہی کی آواز نے کر انپکٹر جمیڈ کے چہرے پر حیرت دوڑ گئی... پیشانی پر بیل پڑ گئے... انہوں نے کہا:

”اور وہ کیا بات ہے... جو تم اچھی طرح جانتے ہو۔“

”یہ کہ مجرم سے کہیں نہ کہیں... کوئی نہ کوئی ظلطی ہو جاتی ہے... اور وہ ظلطی اسے قانون کی گرفت میں لے آتی ہے... لہذا میں تمہیں کوئی ایسا موقع نہیں دوں گا کہ تم میری ظلطی سے فائدہ اٹھاؤ اور

دیتے ہو... یہ سو دا تم ہم سے کیوں نہیں کر لیتے۔“

”کیا مطلب؟“ وہ چونکا۔

”مطلب یہ کہ ہم بھی تمہیں اپنی جمع پونچی دے دیتے ہیں... بس تم ہمیں رہا کر دو۔“

”لیکن اس صورت میں تو میں خود مارا جاؤں گا... عام لوگ تو کمال ہونے کے بعد خاموش ہو کر بیٹھ جاتے ہیں... انہیں میرے بارے میں کچھ معلوم جو نہیں ہوتا... نہ انہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ میں ہوئی ڈو ہے کامالک ہوں... لیکن تم لوگوں کو یہ معلوم ہو چکا ہے... اس لیے تم مجھے کب چھوڑو گے۔“

”تمہیں معلوم نہیں۔“ انپکٹر جمیڈ نے سرسری آواز منہ سے نکالی۔

”مجھے معلوم نہیں... کیا معلوم نہیں۔“

”یہ کہ... میرے پاس، پروفیسر صاحب کے پاس اور خان رحان کے پاس کتنی دولت ہے، اس دولت سے ایسے کتنی ہوئی خریدے جاسکتے ہیں... لہذا تم ہمیں کمال کر کے غائب ہو جاؤ... یعنی ہمارے جیل سے نکلنے کا انتقام کر دو... اور غائب ہو جاؤ... اس صورت میں کیا ہم تمہیں علاش کر سکیں گے... جب کہ ہمیں معلوم نہیں کہ تم کون ہو۔“

مجھ تک پہنچ جاؤ... اس طرح وہ تمام دولت بھی تم حاصل کر لو گے ... اور میں بھی پھنس جاؤں گا... نہیں میں خطرے کا یہ سودا نہیں کروں گا۔"

"دھست تیرے کی... " محمود نے جلا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا۔

"لگ... کیا ہوا بھائی۔" "آسف بوكھلا اٹھا۔

"محلی کا نئے سے نکل گئی۔"

"مم... محلی... لگ... کون ہی محلی... " پروفیسر داؤڈ نے گھبرا کر کہا۔

"آپ کو کیا ہوا... "

"وہ... وہ... مجھے محلی کی بھوک لگ گئی۔"

"اڑے باپ رے۔" "وہ بوكھلا اٹھے۔"

"آپ نے نا... جناب باس صاحب... اب ہم انہیں محلی کہاں سے کھلائیں۔"

"ہوٹل میں موجود ہے... بھجواد بتا ہوں... لیکن... "

"اب تم یہ لیکن کہاں سے لے آئے۔"

"اپنے گمرے... " اس نے فوراً کہا۔

"خیر... آگے کھو۔"

سراج

"لیکن... اس محلی کی قیمت دینا ہو گی۔"

"چلو منکور ہے... میری چیک بک منکوالو۔" انپکڑ جشید

بولے۔

جواب میں وہ نہ سا... انپکڑ جشید کو پھر جھٹکا کا... ادھر

اس نے کہا:

"میں اتنا پاگل نہیں... "

"کیا مطلب... "

"میں تم لوگوں کو چالا کی دکھانے کا کوئی موقع نہیں دوں گا... تم لوگوں کے پاس یہاں جو کچھ ہے... بس وہ دے دو... اور میں دیکھ رہا ہوں... تمہارے ساتھی کی کلائی پر جو گھڑی ہے... وہ دو تین کروڑ سے کم کی تقریب ہے نہیں۔"

"اوہا!" خان رحمان چوک اٹھے، پھر بولے:

"بہت تیز نظر ہے تمہاری... خیر... میں اپنے دوست کی خواہش پوری کرنے کے لیے یہ گھڑی قربان کر سکتا ہوں... بسچ دو محلی... لے لو یہ گھڑی۔"

"پہلے گھڑی... پھر محلی۔"

"اچھی بات ہے۔"

اور پھر چھت میں سوراخ ہوا... اس میں سے ایک برتن

ری کے ذریعے نیچے اترا... انہوں نے اپنی گھری اس میں رکھ دی... ری اوپر سکھ لی گئی... جلد ہی ایک ٹرے تی ہوئی مچھلیوں سے لبریز اتار دی گئی۔ انہوں نے مچھلی اٹھا لی... اور ٹرے میں رکھ لی... اس وقت پروفیسر داؤد کے منہ سے نکلا:

”دو کروڑ کی مچھلی... کمال ہے۔“

”کوئی بات نہیں... دو کروڑ آپ کی خواہش کے آگے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔“ خان رحمان بولے۔

”چلو... پھر آؤ... شروع کرتے ہیں۔“ پروفیسر بولے۔

انہوں نے مچھلی کی طرف ہاتھ بڑھائے ہی تھے کہ نہ کر کر گئے... جیل کے کچھ ساتھی حرث زده انداز میں مچھلی کی طرف دیکھ رہے تھے:

”اوہ بھی آؤ... تم بھی آؤ۔“ پروفیسر مکارے۔

”لیکن یہ دو کروڑ کی مچھلی ہے۔“

”تو کیا ہوا... آؤ۔“

وہ بھی جھکتے ہوئے ان کے ساتھ شریک ہو گئے... ان پکڑ جمیڈ نے باقی سب کو بھی دعوت دے ڈالی اور پھر تو پیچھے کوئی بھی نہ رہ گیا... کبھی مچھلی کی دعوت میں شریک ہو گئے۔ آخر دہ فارغ ہو گئے... اسی وقت انہوں نے کسی کو کہتے سنا:

”باس! پورے ہوٹل کو پولیس کی بھاری تعداد نے مگریا ہے۔“
”اوہ!“ بس کے منہ سے نکلا۔ ساتھی جیل ٹارکی میں دوب ٹھی۔



اپنے گروں کو چلے جائیں... کیونکہ پولیس اس ہوٹل کی ایجنسی سے
ائجنسی بجانے کا ارادہ رکھتی ہے... جو کا کہ اندر ٹھہرے گا... اسے
بھی گرفتار کر لیا جائے گا۔"

یہ اعلان تین بارہ لہرایا گیا... پھر کا کہ حضرات جلدی
جلدی نکلنے لگے۔ آخر ہوٹل کا کوئی سے خالی ہو گیا... اب جو مسافر
کروں میں ٹھہرے ہوئے تھے... ان سے کہا گیا:

"ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے لوگ اپنے اپنے کروں میں رہیں
آنکھیں بہت جلد فارغ کر دیا جائے گا۔"

اور پھر مسافروں کو معمولی ٹلاشی اور ان کے شاختوں کا رد
دیکھ کر فارغ کر دیا... اب ہوٹل میں صرف عملے کے لوگ رہ رکھے...
انہوں نے سارے عملے کو ہوٹل کے باہر جمع کر لیا... پھر آئی می
صاحب نے ان سے کہا:

"اس ہوٹل کا مالک کون ہے۔"

"ان کا نام قائم جان جاسانی ہے۔"

"وہ اس وقت کہاں ہیں... جھوٹ نہ بولنا... جھوٹا بیان
دینے والے کو جیل میں ڈالا جائے گا۔"

"ہوٹل کے کسی ملازم کو ان کے پارے میں کچھ نہیں معلوم
ہوتا... اگر ہو سکتا ہے تو وہ ہیں تو اب شاہ فیجر یا تاب فیجر زدار جان

تیموری

"سر! ایکٹر کامران مرزا پارٹی کی طرف سے کوئی جواب نہ
مل رہا... اس کا مطلب ہے... وہ بھی پھنس گئے ہیں۔" ایک پولیس
آفسر نے آئی می صاحب کافون پر اطلاع دی:

"ٹھیک ہے... میں آ رہا ہوں... ہوٹل کو چاروں طرف
سے گھیر لو... ہوٹل کا کوئی ملازم فرار نہ ہونے پائے... جو نکلنے کی
کوشش کرے... اسے گرفتار کرلو۔"

"اوکے سرا!"

جلدی ہوٹل کو مکمل طور پر گھیرے میں لے لایا گیا... پھر
اعلان کیا گیا:

"پورے ہوٹل کو گھیر لیا گیا ہے... ہوٹل کا جو ملازم کسی بھی
طرف سے فرار ہونے کی کوشش کرے گا۔ اسے گرفتار کر لیا جائے گا...
پورے ہوٹل کی ٹلاشی لی جائے گی... مقامی گاہ کہ حضرات سے
درخواست ہے... باہر لکل آئیں اور اپنے شاختوں کا رد دکھا دکھا کر

”تالا کھلوا میں۔“

”سر امیرے پاس اس کی چابی نہیں ہے... چابی صرف
مالک کے پاس ہوتی ہے۔“

”تب پھر نائب فیجر زدار جان اور حمارے وہ ساتھی کہاں
ہیں، جنہیں وہ اور پر لے کر آئے تھے۔“

”مجھے کچھ معلوم نہیں سر۔“

”معلوم ہو جائے گا... فکر نہ کرو۔“ انہوں نے سرد آواز
میں کہا۔

”میں... کیا مطلب... کیا معلوم ہو جائے گا۔“

”جو آپ کو معلوم نہیں...“ یہ کہہ کر وہ ماتحتوں کی طرف
ڑکے:

”اے گرفتار کر لیں... اور اس دروازے کو کھلوا میں۔“

”اوے سر۔“

تیموری کے ماتحتوں میں فوراً ہھڑی لگادی گئی... پھر
تالا توڑا گیا... دروازہ کھولا گیا۔ اب آئی ہی ماحب نے تیموری
سے کہا:

”کرے کے اندر چلو۔“

”ج... میں... میں۔“

... آج نواب شاہ چھٹی پر ہیں... زدار جان ڈیوٹی پر موجود تھے...
تحوزی دیر پہلے کچھ لوگ ملنے کے لیے آئے تھے، وہ انہیں اوپر مالک
کے کمرے کی طرف لے گئے تھے... کیونکہ انہوں نے کہا تھا کہ
مالک سے ملتا چاہے ہیں، زدار جان صاحب نے انہیں بتایا کہ وہ نہیں
ہیں تو انہوں نے کہا کہ انہیں کم از کم ہوٹل کے فیجر کے کمرے تک
لے جایا جائے... پھر وہ اوپر چلے گئے تھے... اس کے بعد سے اب
تک ان کی واپسی نہیں ہوئی۔“

”آپ کون ہیں اور آپ کا نام کیا ہے۔“

”میں ہوٹل کا ہیڈ بیرا ہوں۔“

”خوب! آپ ہمیں ہوٹل کے مالک کے کمرے تک
چلیں۔“

”آجے۔“ اس نے کہا۔

”تم لوگ بیہیں تھبڑو... اور ان لوگوں کا دھیان رکھنا... ان
میں کوئی ادھراً درندہ ہونے پائے۔“ انہوں نے ماتحتوں سے کہا۔

”اوے سر۔“

اب وہ تیموری کے ساتھ اور آئے... کرے کا
دروازہ بند تھا اور اس پر تالا لگا ہوا تھا:
”یہی کرو ہے جتاب۔“

”کیوں کیا بات ہے ... تم تو اس کرے اور مالکہ کے
بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے ... نہ نائب غیر اور ان لوگوں کے
بارے میں کچھ جانتے ہو ... جو اس کے ساتھ اور پر آئے تھے ... پھر ذر
کیوں رہے ہو۔“

”نن... نہیں۔“ وہ چلایا۔

”اسے اٹھا کر فرش پر پھینک دو۔“

”نن نہیں۔“ وہ چیخا۔

”جلدی اٹھاؤ اسے۔“ وہ سر دلچسپی میں بولے۔

چار کا نشیل اس کی طرف بڑھے:

”ایک منٹ تھبیریں جتاب ... میں بتاتا ہوں۔“

”تم تو کہہ رہے ہے تھے ... تم کچھ نہیں جانتے۔“

”جتنا جاتا ہوں ... اتنا بتا دیتا ہوں۔“

”چلو بتاؤ پھر...“

”جونی آپ مجھے اس کرے کے فرش پر پھینکیں گے ...
اس فرش میں ایک خلامودار ہو گا اور میں غائب ہو جاؤں گا۔“

”کیا مطلب ... تم کہاں پہنچ جاؤں گا۔“

”اس ہوش کے نیچے ... نیچے فوم کے کئی گدے اور پتے
رکھے ہیں ... لہذا گرنے والوں کو چوت نہیں لگتی، وہ زندہ سلامت
 سوراخ کھلا ہے ... اس کے ذریعے کھانا بھاٹاکا کیا جاتا ہے۔“

رجھے ہیں۔“

”لیکن نیچے ہے کیا۔“

”باس کی جیل۔“

”باس کی جیل ... کیا مطلب؟“ اُنیٰ جی چوکے

”جی ہاں اپاں نے نیچے ایک جیل بنارکی ہے۔“

”اور نیچے اس جیل کا راستہ کہاں ہے۔“

”یہ بات صرف باس کو معلوم ہے۔“

”کیا دلتی ... اگر جھمیں معلوم ہے تو بتا دو ... ورنہ اگر ہمیں
معلوم ہوا کہ تم یہ بات جانتے ہے ... تو جھمیں کوئی رعایت نہیں دی
جائے گی۔“

”اگر میں اتنی باتیں بتا سکتا ہوں تو یہ بات کیوں نہیں بتا
سکتا۔“

”ہوں اپنا خیر ... اب سوال یہ ہے کہ ہم اس جیل سک
کیے پھیں۔“

”ظاہر ہے ... اسی علاقے کے ذریعے نیچے اتر ہو چکے گا۔“

”لیکن کیسے ... سب لوگ ذریں کے ...“

”اوہ ہاں یاد آیا ... ایک اور کمرا ہے، اس میں صرف چوکر
سرانجام کھلا ہے ... اس کے ذریعے کھانا بھاٹاکا کیا جاتا ہے۔“

”بہت خوب! یہ ہوئی نا بات... چلو جلدی کرو... اس کرے کو کھولو۔“

وہ دوسرے کمرے میں آئے... تموری نے ایک بڑی دبادیا، فوراً اس کرے کے فرش میں ایک بڑی ٹڑے جتنا خلانمودار ہو گیا... انہوں نے نیچے جھانکا تو گپ اندھرا تھا... کچھ بھی نظر نہ آیا... اب انہوں نے ثارچ کی روشنی نیچے ڈالی... تو ایک آواز ابھری:

”کون ہے بھائی... کیوں پریشان کر رہے ہیں... بڑی مشکل سے تو اندھرا ہوا تھا... اب اسے بھی باقی رہنے نہیں دے رہے۔“

”یہ... یہ تم ہو قاروق...“ آئی بھی صاحب چھک کر بولے۔

”پس پہا نہیں... اندھرے میں کیا کہہ سکتا ہوں کہ میں کون ہوں، یہاں تو بہت سے لوگ ہیں۔“

”حد ہو گئی... ان حالات میں بھی مذاق کی سو جھ رہی ہے۔“ محمود کی آواز ابھری:

”خوش گوار حالات میں تو بھی مذاق کر لیتے ہیں... ایسے حالات میں مذاق کرنا ٹھیک ہے۔“ اور سے آئی بھی صاحب کی

آواز آئی۔

”لیجیے... اب تو آپ بھی اس کی حوصلہ افزائی کرنے لگے۔“

”ان حالات میں ہم اور کر بھی کیا سکتے ہیں... اب سوال یہ ہے کہ آپ لوگوں کو یہاں سے کیسے اوپر لايا جائے... نیچے والا راستہ کیسے کھلتا ہے... یہ یہاں کسی کو معلوم نہیں اور باس صاحب غائب ہیں۔“

”کوئی بات نہیں... اس سوراخ کو بڑا کروالیں اور سیری گی لکھا دیں... اتنی بڑی سیری گی نہ ہو تو دوسری یاں بندھوں لیں۔“

”اچھی بات ہے... اب سیلی کرنا ہو گا۔“

اور پھر وہ سب اس طرح اوپر آگئے... انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا... جبل میں جو اور قیدی تھے... ان سب کے نام پڑے اور دوسری تفصیلات نوٹ کرنے کا کام اکرام کے پسروں کیا گیا... اور انہوں نے گمراہی راہ لی... کیونکہ فی الحال تو وہ آرام کرنا چاہئے تھے... وہ گمراہ پہنچے تو انہوں نے بلند آوازیں سنیں:

”اللہ تیرا شکر ہے... اللہ تیرا شکر ہے۔“

اب پہاڑلا... تمام بیکامات اور پہنچے وہاں جمع ہو چکے تھے اور سب مل کر ان کے لیے زور شور سے دعا میں کرتے رہے

تھے... کیونکہ یہ بات عام ہو جکی تھی کہ وہ لوگ کم ہو گئے ہیں:
 ”آئی تھی صاحب نے آپ لوگوں کے مل جانے کی خبر سن
 دی تھی... ہم بے اسی وقت ٹھرانے کے فوافل پڑھے تھے اور
 اچھے اچھے حرے دار کھانے تیار کرنے میں مشغول ہو گئے تھے...“
 بیکم جعید نے خوشی سے بھر پور آواز میں انہیں بتایا۔
 ”بھی واہ... بیکم ہوں تو آپ مجھی۔“

”اللہ کا ٹھر ہے... آپ نے یہ تو کہا بھائی جان۔“ بیکم
 خان رحمان بول پڑیں۔

اس پر سب کو ہنسی آگئی... پھر کھانا سجا دیا گیا...
 کھانوں کی خوبیوں نے ان کی بھوک اور چکاوی... اور وہ کھانے
 پر ٹوٹ پڑے:

”بھی واہ... کھانا ہو تو ایسا۔“

”اللہ کا ٹھر ہے... آپ کو پسند تو آیا۔“

”اے کہتے ہیں، نیکی اور پوچھ پوچھ۔“ آتاب کی آواز
 سنائی دی۔

”کے کہتے ہیں نیکی اور پوچھ پوچھ۔“ محمود نے چونک کر
 پوچھا۔
 ”پہ پہاڑیں۔“

”تب بھرائے کہتے ہیں، ناج نہ جانے آگئن میڑھا۔“
 قاروق نے منہ بنا یا۔
 ”بھائی کیوں محاورات کی ناگلیں توڑنے پر چل کے ہو۔“
 انکنز جعید نے بڑا اسمانہ بنا یا۔
 ”ان حالات میں ہم اور کربجی کیا سمجھتے ہیں اکل۔“ آصف
 بولا۔

”گک... کن حالات میں... کیا ہوا حالات کو... کسی
 کی نظر تو نہیں لگ سکی۔“ پروفیسر داؤڈ بے خیالی کے عالم میں بولے۔
 ”آپ نے حق کوں سی کسر چھوڑ دی... آپ بھی تو محیث
 لائے ایک عرد محاورہ...“ ”فرحت مکرائی۔“
 ”لگتا ہے... اب یہاں محاورات کا بازار لگ کر رہے
 گا... اور پھر وہ بھانست بھانست کی بولیاں سنائی دیں گی... کہاں
 پڑی آواز سنائی نہیں دے گی...“

”حد ہو گئی... بلکہ تو یہ ہے تم سے... رہی سی کسر سب کی
 طرف سے پوری کر دی... اب یہاں کوئی خاک محاورہ بولے گا اور
 نہیں تو کیا...“

”بھرا خیال ہے کامران مرزا... انہیں ان کے حال پر
 چھوڑتے ہیں اور ہم لا بھر بھری میں جمل کر کیس پر بات کر لیتے

تیں... کیونکہ اس کا مجرم ابھی تک دھننا تا پھر رہا ہے... اور ہم پر فس رہا ہوگا... اپنے قریبی ساتھیوں کے درمیان کہہ دہا ہوگا... بنے پھرتے تھے بڑے سراغر سال... ساری قلقی کھول کر دکھو دی ہے... تین میں رہے نہ تیرہ میں، اب کسی کو شکل دکھانے کے قابل نہیں رہ جائیں گے۔“

”ہائیں ہائیں... ابا جان! آپ ہمیں تو کہہ رہے تھے... اور خود آپ پے در پے بلکہ ترکی بہتر کی حادرات بولے چلے جا رہے ہیں...“ فاروق کے لمحے میں بلا کی حرمت درآئی۔

”واقعی... اکل آپ نے تو ہماری ترکی تمام کر دی۔“

”عد ہو گئی... دست تیرے کی... جسے دیکھو... حادرات پر حادرات بولے چلا جا رہا ہے، کویا سب پر حادرات کا بجوت سوار ہو گیا ہے۔“ خان رحمان نے تلاکر کیا۔

”جی... جی اکل... لگ... کیا کہا آپ نے... حادرات کا بجوت...“ فاروق نے جلدی سے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

”کیوں... کیا ہوا؟“

”میں... میرا مطلب ہے... یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔“

151
 ”جب کامران مرزا... معلوم ہو گیا۔“
 ”کیا معلوم ہو گیا جشید... کچھ ہمیں بھی تو پہاڑے۔“
 پروفیسر داؤد نے جلدی سے پوچھا۔
 ”یہ کہ... اب ان لوگوں سے کام کی بات کی امید رکھنا بھرے کے آگے میں بجانے کے برادر ہے... کیونکہ گدھا کیا جانے زعفران کا بھاؤ...“ اسپکٹر جشید نے جلدی کئے انداز میں کہا۔
 ”بس جشید بس... تم نے بھی آخر خربوز دن کو دیکھ کر رنگ پکڑا، مطلب یہ کہ تم بھی ان کے رنگ میں رنگ گئے...“ پروفیسر داؤد نے انہیں خیز نظر دی سے دیکھتے ہوئے کہا۔
 ”لیکن آپ مجھے ان نظروں سے کیوں دیکھ رہے ہیں۔“
 اسپکٹر جشید نے گھبرا کر کہا۔
 ”شکر کرو... کھا جانے والی نظروں سے نہیں دیکھ رہا...“
 پروفیسر بولے۔
 ”یا اللہ تیرا شکر ہے۔“ اسپکٹر جشید جلدی سے بولے۔
 ”معلوم ہو گیا۔“ اسپکٹر کامران مرزا جل کئے۔
 ”اور آپ کو کیا معلوم ہو گیا... وہاں میں بھی بتا دیں ڈی...“
 ”یہ کہ اس کیس پر اب صرف مجھے کام کرنا ہو گا جا کر... آپ سب یہاں بیٹھے حادرات بازی کرتے رہیں... ان حادرات نے

کب کسی کام کا چھوٹا ہے کہ آپ کو کسی کام کا رہنے دیں
گے... اپنی روشنی میں یہ آپ سب کو بھائیے جا رہے ہیں اور آپ بے
بھاؤ... بھئے جا رہے ہیں..."

"بے بھاؤ نہیں اکل... ملا کرہے گئے... بے بھار۔" قاروق
نے توڑا ترہ دیا۔

"اوہ ہاں قاروق تھا را شکر یہ۔"

"تب پھر کم از کم مجھے ساتھ لے چلیں..." قاروق نے
خوش ہو کر کہا۔

"گھیریں کہاں؟" اسکرپٹ کار ان مرزا اگھرا کر بولے۔
"کیس حل کرنے کے سلسلے میں جہاں بھی آپ جانا
چاہیں... " دو بولا۔

"اوہ اچھا شکر یہ... آڈ قاروق پلتے ہیں۔" دو بولا۔

"آؤں کیسے... آپ تو اٹھے ہی نہیں۔"

"یہ لوائیں اٹھ گیا۔"

"تب پھر ہم سب بھی اٹھ لیے... خادرات کی گرم بازاری
پھر کی دن سکی۔" آصف اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

اور وہ سب مسکرا دیے... پھر لا بھر ری میں آگئے:

"اس سے پہلے کہ ہم کیس پر بات چیت شروع کریں، میں

ایک بات بتا دینا پسند کروں گا۔" اسکرپٹ جہید نے بات شروع کی۔
"اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے بھلا... بتائیجے۔"
فرحت بے چینی کے عالم میں بولی۔

"ہم نے جیل میں... میرا مطلب ہے مجرم کی جیل میں پاس
کی آوازی ہے..."

"ایک منٹ اکل... یہ ضروری نہیں کہ وہ پاس ہی ہو...
ہو سکتا ہے... پاس نے کسی اور کو بات کرنے کا اشارہ کیا ہوا اور خود وہ
خاموش رہا ہو۔" آتاب نے جلدی سے کہا۔

"چلو یونہی سکی... میں اپنا جملہ تبدیل کیے دیتا ہوں... جیل
میں ہم جس شخص کی آواز سختے رہے ہیں... اس کی آواز اور میں مجھے
جانی پچھانی معلوم ہوتی رہی ہے... لہذا اب مجرم کو پکڑنا زیادہ مشکل
کام نہیں رہا۔"

"اور یہ ضروری نہیں کہ وہ اصل مجرم ہو۔" آتاب نے پھر
کہا۔

"ہاں! اکل... لیکن جب ہم اس تک پہنچ جائیں گے تو اس
کے ذریعے اصل مجرم تک بھی پہنچ سکتے ہیں۔"

"ہوں... یہ بات بھی ہے..."

"تو کیوں نہ ہم پہلے اس شخص سے بات کر لیں... جس کی

آواز میں محسوس کرتا رہا ہوں... کیونکہ اب جو نمی میں اس کی آواز سنوں گا تو جان جاؤں گا... وہ آواز اسی کی تھی یا نہیں۔“

”بات صحیک ہے... اگر آپ کو اس کے بارے میں اندازہ ہے تو پھر چلے... اس سے ملاقات کر لیں۔“ محمود نے پر جوش انداز میں کہا۔

”بالکل! ایسی میں کہتا ہوں...“
”تو پھر چلے۔“

اور پھر وہ سب اچھل کر کھڑے ہو گئے:



”آپ لوگ... خیرتے ہے۔“

یہ آواز کن کران کی حیرت اور بڑھ گئی:

”جی ہاں! ہم... کیا آپ ہمارے لیے اپنے گمراہ دروازہ نہیں مکھوٹیں گے۔“

”ضرور... کیوں نہیں۔“ اس نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

اور پھر وہ اندر چلا گیا... جلد ہی ڈرائیکٹ روم کا دروازہ کھلا اور وہ اندر داخل ہو گئے۔ اس وقت دارا بخان نے کہا:

”کمرہ بہت چھوٹا ہے... آپ کو بہت نزدیک نزدیک بیٹھنا

مجرم کا نام

دروازے پر بھیج کر انہوں نے محمود کو اشارہ کیا۔ اس نے آگے بڑھ کر دستک دی... جلد ہی دروازہ کھلا اور دارا بخان شیر کی کھل دکھائی دی... انہیں دیکھ کر اس کے چہرے پر حیرت کی ملکی چمکی اور منہ سے نکلا:

”آپ لوگ... خیرتے ہے۔“

یہ آواز کن کران کی حیرت اور بڑھ گئی:

”جی ہاں! ہم... کیا آپ ہمارے لیے اپنے گمراہ دروازہ نہیں مکھوٹیں گے۔“

”ضرور... کیوں نہیں۔“ اس نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

اور پھر وہ اندر چلا گیا... جلد ہی ڈرائیکٹ روم کا دروازہ کھلا اور وہ اندر داخل ہو گئے۔ اس وقت دارا بخان نے کہا:

”کمرہ بہت چھوٹا ہے... آپ کو بہت نزدیک نزدیک بیٹھنا

پڑے گا۔"

عایہ۔"

انکھز جیشید کے تمام ساتھیوں نے یہ لطیفہ پہلے ہی سن رکھا تھا... اور انہوں نے جان بوجہ کرایا لیفہ سایا تھا کہ ان کے ساتھی نہ نہیں... اور ایسا ہی ہوا... تکنی چونکہ داراب خان نے نہیں سن تھا، اس لیے وہ بے ساختہ فس چڑا اور اس کے ساتھی انکھز جیشید کے چہرے پر حیرت کے بادل چھا گئے... ان کی نظریں داراب خان پر جم گئیں... وہ سرد بجھ میں ہو گئے:

"آپ ذرا اپنی کہانی بھر سے دہرائے۔"

"جنی... کہانی... کون ہی کہانی؟" اس کے لبھ میں حیرت حملی۔

"میں جب آپ کی حوصلی کے ڈرائیک روم میں داخل ہوا تھا تو مجھے دیوار پر ایک فریم کی ہوئی تصور نظر آئی تھی... مجھے وہ تصور جانی پچانی نظر آئی تھی... میں نے آپ سے جب اس تصور کے پادرے میں پوچھا تھا تو آپ نے بتایا تھا، یہ بھرے ہوئے بھائی کی تصوری ہے جو ایک دست سے عالمی ہے، مگر میرے سوال پوچھنے پر آپ نے بتایا تھا کہ آپ کا وہ بھائی دس سال پہلے قاتب ہو گیا تھا... آج تک اس کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ آپ نے بتایا تھا کہ آپ نے اپنے ہوئے بھائی کی رپورٹ درج کر دی تھی... آپ کے بھائی

"آپ ہماری غرفتہ کریں... ہم اس سے بھی کم جگہ میں ہے سکتے ہیں... اس سے بھی بڑا کریے کہ کریاں کمرے سے لکھ کر فرش پر بھی بینٹھ سکتے ہیں۔"

"بہت خوب... تعریف رکھیں۔"

"مجھے ایک لطیفہ یاد آگیا... پہلے تو ذرا وہ سن لیں۔" ایسے میں انکھز جیشید نے کہا۔

"جنی... لطیفہ... یہ کیا بات ہوئی۔" کمی آوازیں امگریں۔

"لطیفہ سانے کے لیے کسی بات کا ہوتا، نہ ہونا ضروری نہیں... بس ایک لطیفہ یاد آگیا... سونا رہا ہوں۔" انہوں نے کہا۔

"خیر نہیں۔" قاروق نے حیران ہو کر کہا۔

انکھز جیشید لطیفہ سانے لگے:

"میان بیوی خریداری کے لیے بازار آگئے..." ایک بھکاری نے سامنے آ کر کہا۔

"اے شہزادے! میں انہا ہوں... پانچ روپے کا سوال ہے۔"

بیوی نے یہ سن کر کہا:

"وے دو اسے پانچ روپے، تمہیں شہزادہ کہہ رہا ہے، انہا

آپ کے ساتھ نہیں، شہر میں رہتے تھے... شہر میں ان کا کاروبار تھا...“

”ہاں! میں نے بھی بتایا تھا۔“

”اور یہ کہ ان کی گشادگی کے بعد بھی ان کے بھوپلی پچ و ہیں رہتے ہیں۔“

”ہاں بالکل۔“

”بس تو پھر... ہمیں ان کا پاپا بتا دیں۔“

”13 سالاں رزوڈ۔“ اس نے بتایا۔

ایسے میں اپنے پتر جمشید کے موبائل کی سختی بھی... انہوں نے دیکھا، فون اکرام کا تھا۔ انہوں نے موبائل آن کر دیا۔ دوسری طرف سے فوراً ہی اکرام کی آواز سنائی وی:

”سر! بہت عجیب بات معلوم ہوئی ہے... بہتر ہو گا آپ بھی آجائیں۔“

”اچھا اکرام... ہم آرہے ہیں۔“ یہ کہہ کر انہوں نے موبائل بند کر دیا اور اس سے بولے:

”ہمیں ذرا شہر جانا پڑ گیا... ہم آپ سے پھر ملاقات کریں گے۔“

”اچھی بات ہے۔“

اور وہ دہاں سے باہر نکل آئے... ایسے میں انہوں نے اپنے ایک ماتحت کو موبائل کے ذریعے چند ہدایات دیں... پھر سیدھے دفتر پہنچے۔ اکرام انہی کا انتظار کر رہا تھا:

”السلام علیکم... ہم آگئے۔“

”وعلیکم السلام...“

پھر وہ سب بیٹھ گئے۔ اب اکرام نے کہا:

”ہوشی کے تمام ملازمین... جرام پیش ہیں... لیکن ھلک صورت دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا... یہ بات تو ان کی اکیلوں کے نشانات ملانے سے معلوم ہوئی ہے... یہ سب کی شکلیں بہت مہارت سے ہیں... ان کے موجودہ بارے نے ان سب کی شکلیں بہت مہارت سے تبدیل کی ہیں... ان کا کہنا ہے کہ وہ اس کام میں بہت ماہر ہے اور ھلک تبدیل کرنے کے لیے اسے کوئی خاص کام نہیں کرنا پڑتا، بس کسی کمیکل سے کوئی کاری گری دکھادیتا ہے اور ھلک بالکل تبدیل ہو جاتی ہے... مطلب یہ کہ اسے پورے چہرے کامیک اپ نہیں کرنا پڑتا جس طرح ہم کرتے ہیں۔“

”اوہ... تب تو اس نے اپنی اصلی ھلک بھی چھپا رکھی ہو گی۔“ اصف نے حیران ہو کر کہا۔

”ظاہر ہے۔“

”تب پھر اس بات کا بھی امکان ہے کہ وہ ان ملازمین میں شامل ہو۔“

”ہاں! یہ بھی ہو سکتا ہے... خیر! ہم ان سب کو چیک کریں گے۔“ ہم باس کی آواز ان پرکے ہیں... اگر وہ ان میں شامل ہے تو یقینیں لے کے گا۔“

”داراب خان شیخر سے ملاقات کے دوران اس کے بھائی والی بات رہ گئی... آپ پہلے ہمیں وہ توبتادیں۔“

”اس کا کہنا ہے، دس سال پہلے اس کا بڑا بھائی گم ہو گیا تھا... اس کی گشتوں کی رپورٹ تھانہ کاشی میں درج کرائی گئی... ہم نے یہ بات چیک کی تھی... رپورٹ درج کرائی گئی تھی۔ انہی دنوں پولیس کو ایک لاش ملی تھی... اس کی ڈھل صورت اس کے بھائی سے ملتی جلتی تھی... لیکن اس نے بتایا تھا کہ یہ اس کے بھائی کی لاش نہیں ہے... میں نے اخبارات میں اس لاش کو دیکھا تھا... اس کا جگہ میرے ذہن میں موجود تھا، اس لیے جب میں نے حوصلی کی ذرا لٹک رہم میں اس کے بھائی کی تصور دیکھی تو مجھے محسوں ہوا تھا کہ میں نے اسے کہیں دیکھا ہے... جب ہم نے اکرام کو داراب خان کے بھائی سرخاب خان کی تصور دکھائی تو وہ چونک اٹھا۔ اس نے کہا، یہ سرخاب ہے... اسے کسی نے قتل کر دیا تھا... اب اس تفصیل کا مطلب

یہ ہوا کہ دس سال پہلے ایک شخص کو قتل کیا گیا تھا... اس کا تعلق جرائم کی دنیا سے تھا... اور اس کا نام جرائم کی دنیا میں سرخاب تھا... گورخاب کا مجرمانہ نام سرخاب تھا... اور وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے... اسے قتل کرنے والے کی کلائی کی زنجیر لاش کے پاس سے ملی تھی۔ اس کا نام زاران ہے... زاران قام طور پر ہوں گے وہ بے میں دیکھا جاتا ہے... اس اطلاع پھر ہم وہاں گئے تھے، اور پھنس گئے... وہ بے ہوں گی اسی بلیک میلر کا ہے... جو داراب خان کو بلیک میل کر رہا ہے... لیکن وہ مرف اسی کو نہیں اور نہ جانے کتوں کو بلیک میل کر چکا ہے...“

”ہاں سوال یہ ہوتا ہے کہ اس نے داراب خان شیخر کو کس بیواد پر بلیک میل کیا ہے۔“

”داراب خان اس سوال کا جواب نہیں دے رہا ہے... اور ظاہر ہے... وہ جواب کیسے دے سکتا ہے... اسی راز کو چھانے کے لیے تو اس نے اپنی ساری دولت بلیک میلر کو دے دی... کیا نام بتایا تھا اس نے ہوٹل کے مالک کا۔“ انکھڑ جشید بات کرئے کرتے رہی گئے۔

”دیگر... کس نے؟“ قاروں بکایا۔

”ہوٹل کے میرے نے...“

”اوہ ہاں! اس نے ہوٹل کے مالک کا نام قائم خان بتایا۔“

تما۔“

”مطلوب یہ کہ ہمارے اس بارے کے مجرم کا نام قائم خان ہے... اب بحصہ رہ گئی داراب خان کے بھائی کی... اس کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا... جو لاش ملی تھی... زیادہ امکان بھی ہے کہ وہ اسی کی تھی... اور اس کا مطلب ہے... داراب خان کا بھائی سرخاب خان مارا چاپکا ہے... اور وہی سرخاب بھی تھا... تو کیا وہ جرام پڑھ تھا... اور قائم خان نے اسے زاران کے ذریعے قتل کرا دیا تھا... سوال یہ ہے کہ کیوں... ایک اور سوال یہ ہے کہ داراب خان کا بھائی جو تم ہو گیا تھا... اچانک جرام پڑھ کیسے بن گیا... یہ اس کیس کے چھڑا ہم سوالات ہیں... جن کے جوابات ہمیں معلوم ہو جائیں تو کیس حل ہو جائے گا... رہ جائے گا... قائم خان... اسے بھی ان شا اللہ عاش کر لیں گے... کونکہ اس نے ہمیں اپنی ذاتی جمل کی سیر کرائی ہے ہمیں اسے سرکاری جمل کی ہوا کملائیں گے۔“ اپکر جسیدہ کہتے چلے گئے۔

”ان شا اللہ۔“

”تو پھر اب ہوٹل کے ملازمین سے باری باری ملاقات کرنی چاہیے اگر ام ب سے پہلے زاران خان کو لے آؤ۔“

”جی اچھا! اگر ام نے کہا اور اپنے ماتحت کو ہدایات دیں...“

جلد ہی زاران خان اندر داخل ہوا۔“ اس کا چہرہ اتر اہوتا...“

”ہاں تو مسڑ زارن جان... آپ ہوٹل ڈوبے کے نائب فوجر ہیں... سمجھی بات ہے تا۔“

”جی جناب۔“

”اور آپ ہوٹل کے مالک کو جانتے ہیں۔“

”جی جناب!“

”اس کا طیہہ تائیں۔“

”وہ ایک درمیانے قد کے سڑوں جسم کے مالک ہیں... رنگ سرخ و سفید ہے... آنھیں ملکا چوڑی پوشانی... چہرہ لبورتا، تاک لمبی پتلی، اسی طرح ہونٹ بھی پتلے۔ نہ جانے کیوں ان کی طرف دیکھنے سے خوف کا احساس ہوتا ہے۔“ اس نے تایا۔

”آپ ہوٹل کی ملازمت سے پہلے کیا کرتے تھے اور یہ ملازمت کیسے ملی؟“

”میں ایک ماہر جیب کرنا تھا... ہوٹل ڈوبے میں اکٹھ کھانا کھانے کے لیے جاتا تھا... بس وہیں ایک دن ہوٹل کے مالک نے مجھ سے ملاقات کی لی اور اس نے کام کرنے کی پیش کش کی... اس نے تایا میں اکیلا اور داتیں کرتا ہوں... اس کے ساتھ مل کر کام کروں گا تو زیادہ آسانی ہو گی اور محاوڑہ بھی بہت سخت متحول ٹے گا... میں تو پہلے یہی

”جب پھر اس کا انگا حلیہ بھی تبدیل ہو گا... اور تم لوگ اے جس طیے میں دیکھتے رہے ہو، اس کا اصل حلیہ نہیں ہو گا۔“

”اے ایسکی بات ہے۔“

”اب ایک بات اور... آخر اس نے اتنے لبے چوڑے انتظامات کیے کر لیے... یعنی ہوش کے کمرے میں ایک ایسا نظام... کہ کوئی اس کے کمرے کے فرش پر کھڑا ہوا اور وہ بہن دباوے تو وہ بے چارہ نیچے بہت گمراہی میں جا کرے... پھر وہاں گردے بچائے گئے... نیچے باقاعدہ جیل بنا لی گئی... تاکہ اخواز کرنے والے کو وہاں رکھا جاسکے، ان سے بڑی بڑی رقمیں دصول کی جاسکیں... اتنا کچھ اس نے کیے کر لیا۔“

”یا اس نے نہیں کیا تھا۔“ زوار جان نے جلدی سے کہا۔

”تب پھر؟“

”ہوش کی اور نے بنوایا تھا... وہ خود کوئی بہت بڑا انجینئر تھا... یہ سب کام اس نے خیرہ طور پر اپنی گرانی میں کرایا تھا... یعنی ہمارے پاس یہ ہوش کیے لے لیا... یہ بات آج تک کسی کو معلوم نہیں ہو گئی۔“

”اس کی رہائش کے بارے میں کچھ معلوم ہے۔“

”میں نہیں... ہمیں تو وہ ہوش کے کمرے میں ہی بلاتا

جرائم پیشہ تھا... ہر وقت پکڑے جانے کا دھڑکا لگا رہتا تھا... ہوش کے مالک نے یہ بھی کہا کہ ساتھ مل کر کام کرنے میں پولیس سے حفاظت بھی ہے... بس اس طرح میں نے ان کے لیے کام کرنا شروع کر دیا۔“

”لیکن اے یہ کس طرح پاہا جل جاتا تھا کہ کون سا شخص جرائم پیشہ ہے۔“

”میرے ایک دوست کے ذریعے اے میرے بارے میں پاک چلا... میرے ذریعے سے بھی اے کئی لوگوں کے بارے میں معلوم ہوا... بس اس کا طریقہ کاری بھی ہے... ظاہر ہے... پہلے وہ خود بھی اسی حرم کی وارداتیں کر رہا ہو گا... پھر اس نے اپنا گروہ بنانا شروع کر دیا... اب جو لوگ پہلے ہی اس کے واقف تھے... وہ اس کے گروہ میں شامل ہو گئے اور ان کے ذریعے اور لوگ شامل ہوتے ٹھے... اس طرح اس نے گروہ ترتیب دے ڈالا... وہ میک اپ کا بہت بڑا ماہر ہے اس نے ہم سب کے طیے تبدیل کر دیے۔“

”کیا یہ کام اس نے خود کیا۔“

”اے سب کے چھوٹی پر اس نے خود میک اپ کیا... مطلب یہ نہیں کہ ایک ہی بار ایسا کیا بلکہ جب بھی کسی کو گروپ میں شامل کرتا ہے، پہلے اس کا حلیہ تبدیل کرتا ہے... لہذا ہم سب کے طیے بدلتے ہوئے ہیں۔“

جائے۔“

”ہوں... صحیح ہے... آئیے پھر ہوں چلیں۔“ محمود نے پروش انداز میں کہا۔

”دیوار سے لگ کر کھڑے ہو جائیں گے... ورنہ ہم نجیجاً کریں گے۔“ آصف نے خوش ہو کر کہا۔

اب ان سب پر ایک جوش کی حالت طاری ہو گئی... کیونکہ بس کا سراغ لگانے کی امید ہو چکی تھی... جب کہ اس سے پہلے وہ سوچتے رہے تھے کہ نہ جانے بس کی ٹلاش میں کیا کیا پاپوں بیٹنے پڑیں گے:

اور پھر وہ ہو گئی بھیج گئے... ہوں ٹل کیا جا چکا تھا اور اس کے گرد پولیس کا پہرہ تھا۔ ان کے اشارے پر صدر دروازہ کو لا گیا... وہ لفٹ کے ذریعے اوپر بھیج گئے۔

میں اس وقت فرزانہ نے بھلی کی آواز منہ سے کالا، ساتھی اس نے ہوتوں پر الگی رکھ کر انہیں خاموش ہونے کا اشارہ کیا۔ ان سب نے حیران ہو کر فرزانہ کی طرف دیکھا، کیونکہ انہیں تو کچھ بھی محسوس نہیں ہوا تھا:



تھا... اس کرے میں وہ کیسے آتا تھا اور کرے سے کیسے لکھتا تھا... یہ ہناں چل سکا...“

”اوہ... اس کا مطلب تمہری ہے کہ اس کرے سے باہر لٹکے کا اور باہر سے اس کرے میں آنے کا کوئی خیرہ راست موجود ہے... بھیسا دہ راستہ معلوم کرنا ہو گا۔“ اپکڑ کار ان مرزا چونک کر جو لے۔

”لیکن کیسے انہل... اس کرے میں جانے کا مطلب ہے... نجیج ہاگرنا۔“ آصف نے مدد بھایا۔

”کوئی پرواہ نہیں... نجیج گدے بچے ہیں... ہمیں کوئی چوت نہیں آئے گی... لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہم ضرور نجیج ہاگریں... ہم دیوار کے ساتھ ساتھ ہیں... خلافرش کے درمیان میں ہو گا... دیوار کے ساتھ نہیں۔“

”باقی نمیک... لیکن پہلے ہمیں یہاں اپنا کام حل کر لینا جائے۔“

”باس کے بارے میں یہ خاص بات معلوم ہو گئی ہے کہ وہ کی خیرہ راستے سے کرے میں آتا جاتا تھا... اس لیے اب یقین سے کہا جاسکا ہے کہ وہ ان لوگوں میں شامل نہیں۔ لہذا ان سے ہم بعد میں بات کر لیں گے فی الحال تو ہمیں ان معلومات سے فائدہ اٹھانا

اپنے کسی ساتھی کا انتظار بھی نہ کیا اور لفٹ کا چھٹ دالا ہیں دبادیا... فوراً عیادہ چھٹ پر تھے... انہوں نے منڈیر کے ساتھ ساتھ دوڑ کر چکر لگانا شروع کیا... ان کی نظریں نیچے تھیں... گویا وہ ہوٹل کے چاروں طرف کا جائزہ لے رہے تھے تاکہ کوئی لکھا نظر آئے تو اسے دیکھ لیں... لیکن کافی دیر گزرنے پر بھی کوئی کسی طرف سے لکھا نظر نہ آیا... اس وقت تک باقی ساتھی بھی اوپر آچکے تھے:

”کوئی لکھا نظر نہیں آیا۔“ انہوں نے کہا۔

”اس کا مطلب ہے ... فرزانہ کے کام یہ تھے۔“
قاروئی نے متھا ہایا۔

”خوبی بات تو نہیں۔“ فرحت مسکرائی۔

”تم تو ظاہر ہے، اس کا ساتھ دوکی۔“

”یہ بات بھی نہیں... میں نے بھی ایک بھلی آواز سنی تھی... لیکن فرزانہ مجھ سے پہلے بتا بیٹھی۔“

”مگر یہ فرحت... درست یہ حضرت تو مجھے آڑے ہاتھوں لئے پر لئے ہیں۔“

”دعا! ایک بھی جعلے میں دو خاورے۔“ آمف چپکا۔

”بھی پہلے بآس کا کمرہ...“ اپکڑ جشید ہوئے۔

اور پھر وہ بآس کے کمرے میں داخل ہوئے... دیوار

آخری آرامگاہ

ان کی نظریں فرزانہ پر جنم گئیں... گویا وہ اس سے اشاروں میں پوچھتا چاہتے تھے... کیا بات ہے... اس نے کیا دیکھا یا سنا ہے... فرزانہ نے انہیں اشاروں میں بتایا کہ یہاں ان کے علاوہ کوئی اور بھی موجود ہے۔ اب تو وہ چونکے ہو گئے... اپکڑ جشید نے انہیں ادھراً درستونوں وغیرہ کے یہچے پوزیشن لینے کا اشارہ کیا... وہ فوراً حركت میں آگئے، لیکن انہوں نے ہلکی آہٹ بھی نہ ہو نے دی:

چند منٹ بعد وہ دم سادھے رہے... آخر فرزانہ نے ایک موبائل سائنس لی اور اوت سے کلک آئی، ساتھ ہی اس نے کہا:

”وہ جس کوئی بھی تھا... بآس کے کمرے میں تھا... لیکن اب وہ جا چکا ہے... اور ظاہر ہے، وہ بآس ہی تھا۔“

”کیا!!!“ اپکڑ جشید چلائے اور فوراً لفت کی طرف دوڑے... آن کی آن میں وہ لفت میں داخل ہو گئے... انہوں نے

”یعنی جمیل! اس کے لیے کیا طریقہ اختیار کرو گے... مجھے تو دور دور تک کوئی راستہ نہیں سوچو رہا۔“

”اس کے لیے ہمیں محل پر زور دینا ہو گا۔“

اور وہ سب سوچ میں گم ہو گئے۔ ”آخر اصف نے کہا:

”میرے خیال میں ہمیں وہ خیر راستہ تلاش کرنا ہو گا... کیا خبر وہ راستہ آس پاس کی کسی عمارت میں جاتا ہو۔“

”کیا!!!“ وہ ایک ساتھ چلا آئی۔

اب تو ان پر جوش طاری ہو گیا:

”بہت خوب آخر... تم نے بہت کام کی بات تھائی... اس بات کا زبردست امکان ہے... اور اس کے لیے آسان ترین بات بھی بھیجا تھی کہ یہاں سے تھنے والا خیر راستہ کسی آس پاس عمارت تک جاتا ہو... واضح رہے کہ یہ ہوئی اور اس کا نیچے والا نظام ایک ماہر انجینئر نے بنایا تھا... اور وہی اس جگہ کام کا اس ہو سکتا ہے... پہنچ پہلے راستہ تلاش کریں۔ انہوں نے دیواروں کے ساتھ ساتھ روکر کرے کے ایک ایک انج کا جائزہ لیا... ایسے میں پروفسر

صاحب ہو لے:

”یار جمیل... میں تو تھک گیا... باس کی کری پر بیٹھ جاؤں۔“

سے لگ کر امداد آتے چلے گئے... اس وقت انہوں نے دیکھا... کری کے پاس جو توں کے تازہ نشان موجود تھے... نشانات گیئے تھے... یہ بات محسوس کر کے اسپکز کامران مرزا کرے کے محل خانے کی طرف بڑھے اور دروازہ کھول کر امداد داخل ہو گئے... انہوں نے قلش چلنے کی بلکل یہ آواز محسوس کی:

”اس میں تھک نہیں رہا کہ وہ یہاں موجود تھا... اور محل خانے میں بھی آیا تھا... اسی لیے کری کے پاس جو توں کے نشانات گیئے ہیں... اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ہم نے عملے کے جلوگ گرفتار کیے ہیں، وہ ان میں شامل نہیں... بلکہ آزاد حکوم پھر رہا ہے اور اپنے پچاؤ میں لگا ہوا ہے... ظاہر ہے... اب وہ خوف محسوس کرنے لگا ہو گا... اور یہاں سے کوئی چیز لے جانے کے لیے آیا ہو گا... یا پھر انگلیوں کے نشانات مٹانے کے لیے۔“

”جی ہاں اکل... بھی بات ہو سکتی ہے... خیر... اب اگر ہم ہوئی سے تھنے کا راستہ تلاش کر لیتے ہیں... تو بھی کوئی فائدہ نہیں ہو گا... کونکہ وہ تواب یہاں ہے عقیلیں۔“

”بالکل صحیک... ہم اس کام میں وقت کوں خالع کریں... فرض کریں ہم وہ راستہ تلاش کر لیتے ہیں... تو اسے گرفتار تو کر نہیں لیں گے... ہمیں تو اس کا سراغ لگانا ہو گا۔“

بسم اللہ پڑھ کر پہلے ایک بین دبایا... فرش میں فوراً ہی چوکر خلامودار ہوا... انہوں نے دوسرا بین دبایا تو خلامپر ہو گیا...

”لو بھی... یہ تو معلوم ہو گیا... کہ اس بین کو دبانے سے یہ خلامودار ہوتا ہے... اب میں اللہ کا نام لے کر تیرا بین دبانے کا ہوں۔“

”ٹھیک ہے۔“

اب انہوں نے تیرا بین دبادیا... فوراً ہی اس کری کے نیچے ایک خلامودار ہوا اور نیچے سیرھیاں جاتی نظر آئیں:

”وہ مارا جشید۔“

”لیجے! آپ تو ہمارے ابا جان کو مارنے لگے۔“ فاروق نے منہ بنایا۔

”عن نہیں... نہیں میرا مطلب ہے... کری کے نیچے سیرھیاں نظر آگئی ہیں۔“

”بس تو پھر یہی وہ راستہ ہے... جس کے ذریعے وہ اس کرے میں آتا جاتا ہے...“

”تو کیوں نہ چوتھا بین دبائ کر دیکھ لیا جائے۔“

”ہاں! پہلے ان بیٹوں کو دیکھ لیتے ہیں، نیچے بعد میں چلیں گے۔“

”جی ضرور... اس میں کوئی خطرہ نہیں... کیونکہ باس جب دوسروں کو نیچے گراتا تھا... تو اس وقت وہ کری پر بیٹھا ہوتا تھا...“

”بہت بہت شکریہ جمیلہ...“ پروفیسر داؤد نے خوش ہو کر کہا اور کری پر بیٹھ گئے۔

ادھر وہ اپنے کام میں مشغول ہو گئے... پروفیسر داؤد بھی باس کی کری کا جائزہ لینے لگے... ایسے میں انہوں نے چوک کر کہا:

”اس کری میں چھوٹیں لگے ہوئے ہیں... ان میں سے ایک کے دبانے سے تو شاید اس فرش میں خلامودار ہوتا ہو گا... اور دوسرے چھوٹیں دبانے سے کیا ہوتا ہے... یہ میں معلوم نہیں... لہذا کیوں نہ پہلے ان بیٹوں کا تجربہ کر لیا جائے۔“

”وہ کیسے؟“

”تم سب باہر کل جاؤ... میں پاری پاری بین دبائ کر دیکھتا ہوں... ظاہر ہے، کری پر بیٹھے ہوئے مخفی کوتو کوئی نقصان ان بیٹوں کے دبنتے سے پہنچ کا گئیں۔“

”آپ کی بات بالکل ٹھیک ہے اور ایسا کر کے دیکھنے میں کوئی حرج نہیں۔“

اب وہ سب کرے سے کل آئے... پروفیسر داؤد نے

انہوں نے چوتھا بیٹن دبایا تو سیر حیاں غائب ہو گئیں...

خلا مدد ہو گیا:

”یہ تو صرف بند کرنے کا بیٹن ہے... گویا دو بیٹن خلامودار کرنے کے ہیں اور دو تہہ خانے کے... اور پانچ ماں بیٹن یہاں کوئی ہے نہیں۔“

”ٹھیک ہے... آپ تیرے بیٹن کو دبادیں... تاکہ ہم ان سیر حیاں کے ذریعے نیچے اتر چلیں اور دیکھیں کہ یہ راستہ کہاں ختم ہوتا ہے... اور وہاں ہمارا مجرم موجود ہے یا نہیں۔“

”ٹھیک ہے۔“

سیر حیاں دوبارہ نمودار ہو گئیں... وہ بس اتنی چوڑائی میں تھیں کہ ایک آدمی آسانی سے اتر سکتا تھا... سیر حیاں نمودار ہونے کے ساتھ ہی نیچے ایک بلب بھی جل اٹھا تھا... اور وہاں اندر ہمراں نہیں تھا:

”تو کیا سب سے آگے میں چلوں جمیش۔“ خان رحمان بولے۔

”نہیں! آپ نہیں... سب سے آگے انپکڑ کامران مرزا جائیں گے اور سب سے آخر میں میں... درمیان میں باقی لوگ۔“

”بس تو پھر میں بسم اللہ پڑھتا ہوں۔“

یہ کہہ کر انپکڑ کامران مرزا نیچے اترنے لگے... ان کے نیچے چھوٹی پارٹی جل پڑی۔ پھر خان رحمان اور ان کے بعد پروفیسر داؤد... ان کے نیچے انپکڑ جمیش سیر حیاں اترنے لگے۔ انپکڑ کامران مرزا نے پستول ہاتھ میں لے لیا تھا... کیونکہ مجرم کچھ دیر پہلے اس کمرے میں موجود تھا... اور کسی بھی وقت اس سے سامنا ہو سکتا تھا... سیر حیاں ختم ہونے پر انہوں نے خود کو ایک مستطیل کمرے میں پایا... یہاں بے حد شذوذ تھی... شاید یہ تہہ خانہ شذوذ کے لیے ہی بنایا گیا تھا... یا پھر اس گروہ کا بآس یہاں آرام کر لیتا ہو گا... اب انہوں نے اس کمرے کو غور سے دیکھا... تھانے کے فرش پر ایک موٹا قالین بچایا گیا تھا... خان رحمان نے قالین اٹ دیا۔ ایسے میں فرزات نے کہا:

”نہیں اٹکل۔“

”نہیں اٹکل کیا... میں تو ہاں اٹکل ہوں۔“ خان رحمان نے منہ بنا یا۔

”میرا مطلب ہے... اب تھانے میں کوئی راستہ تو نہ کتنے سے رہا، ہاں دیواروں میں کوئی راستہ نہ کلنے کا امکان ہے۔“

”ہوں... واقعی۔“

انہوں نے دیوار کا معاشرہ کیا... ایک جگہ ایک گڑھا سا

نظر آیا۔ اس میں انگلی ڈال کر جو دبایا گیا تو کھٹکی آواز کے ساتھ ایک دروازہ کھل گیا اور انہیں ایک سرگن نظر آئی... اس میں ایک آدمی ایک وقت میں چل سکتا تھا:

”ہوشیار... خبردار...“ اپکڑ کاران مرزا نے سرراتی آواز منہ سے نکالی۔

”ہاں! اگر وہ سرگن کے دوسرا طرف ہوا تو ہمیں نشانہ بنا سکتا ہے، اور ہم اس پر فائز نہیں کر سکتے گے... کیونکہ وہ پوزیشن سنjalے ہونے ہو گا۔“

”واقعی... یہ خطرناک ہے... اللہ اپنا حرم فرمائے۔“

”لیکن ہم رک نہیں سکتے... آگے تو ہمیں بڑھنا ہو گا۔“

اپکڑ جشید کی آواز ابھری۔

”بالکل صحیح۔“ اپکڑ کاران مرزا نے کہا اور سرگن میں داخل ہو گئے... باقی لوگ ان کے پیچے پیچے ٹلے۔

”م... میں... میں۔“ فرحت ہکلائی۔

”تم میں کسی بکری کی روح تو داخل نہیں ہو گئی۔“

”تن... نہیں... میرا مطلب ہے... شاید ہم پھنس گئے ہیں۔“

”شاید نہیں یقیناً۔“ اپکڑ جشید بھر پورا انداز میں بولے۔

”جی کیا مطلب... آپ یہ کہے کہ سکتے ہیں۔“

”فرحت اور فرزانہ نے یہ بات محسوس کر لی تھی کہ کوئی اس کمرے میں تھا اور ہمارے آنے کے بعد ہی یہاں سے وہ نکلا ہے... گویا اندر ہی اندر کہیں غائب ہو گیا ہے... اس کے بعد جب ہمیں آسانی سے نہ خانے کا راستہ مل گیا... تو پہلا خیال مجھے اور انگر کاران مرزا کو تھا کہ مجرم ہمیں پھانسے کا منصوبہ بنانے ہے۔“

”کیا مطلب... یہ آپ نے کیا کہا... آپ دونوں نے یہ بات جان لی تھی... آپ اپنے بارے میں تو خیر یہ بات کہے سکتے ہیں... لیکن انکل کے بارے میں یہ کہے کہ سکتے ہیں۔“

”ہم دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر اپنا آپنا خیال آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو بتا دیا تھا... تم لوگوں پر یہ بات اس لیے ظاہر نہیں کی تھی کہ خوف زدہ نہ ہو جاؤ۔“

”آپ... آپ کا مطلب ہے... ہم پھنس چکے ہیں۔“

”ہاں بالکل۔“

”لیکن کیوں... ہم تو آسانی سے واہس جاسکتے ہیں... واہس کا راستہ تو نکلا ہے۔“

”چلو... تم لوگ یہ بھی کر کے دیکھ لو۔“

”کیا ہم واقعی یہ کر کے دیکھ لیں۔“

”ہاں بالکل۔“ ان پکڑ کا مرزا مزراعے۔

آصف اور محمود تیزی سے واپس مڑ گئے اور وہاں سے ہو کر آخری سیری چڑھنے پہنچے... انہوں نے ہم تھانے کا دروازہ ادھر سے بند نہیں کیا تھا... کھلا رہے دیا تھا، لیکن اب بند تھا۔ انہوں نے اس کا ہڈال پکڑ کر کھینچا... لیکن دروازہ نہ کھلا... اس کا مطلب یہ تھا کہ مجرم اپنے کرے کی طرف سے دروازہ بند کر چکا تھا... اور ایسا اسی صورت میں ممکن تھا... جب وہ پھر چکر لگا کر اپنے کرے میں آگیا ہو... یعنی اس وقت جب یہ لوگ پہنچے اتر گئے تھے:

”آپ کا خیال نہیں ہے بالکل۔“

”تب پھر میرا ایک خیال اور ہے۔“

”اور وہ کیا بالکل۔“

”ہم تھانے سے ہو کر سرگ میں داخل ہونے پر مجبور ہیں۔“

”وہ کیوں۔“

”اس نے اپنے کرے کی طرف سے کیسی چھوڑنا شروع کر دی ہے۔“

”کیا!!!!“ وہ ایک ساتھ زور سے بولے۔

”بھی بات ہے... اور اس کا مطلب ہے... ہمارے لیے آگے بھی موت ہے۔“

”اللہ انہار م ح کرے... خیر... اس گیس سے بچنے کے لیے ہمیں سرگ میں آگے تو جانا پڑے گا۔“ ورنہ ہم ہمیں دم گھٹ کر مرجائیں گے... جب کہ ہمیں معلوم نہیں، ہمارے لیے آگے کیا سامان تیار ہے۔“

وہ سرگ میں چلنے لگے... زیر دکے بلب روشن تھے... ان کی روشنی میں قدم اخانا مشکل کام نہیں تھا... سرگ کے آخر میں ان کے سامنے ایک دروازہ تھا... انہوں نے اسے دھکیلا تو دروازہ کھل گیا... وہ بے دھڑک اندر داخل ہو گئے، اگرچہ جانتے تھے... یہ کہہ، ان کے لیے بخبرہ ثابت ہو سکتا تھا... ادھر وہ اندر داخل ہوئے... ادھر دروازہ گھٹ سے بند ہو گیا... ساتھی انہوں نے باس کی آواز سنی:

”میں جاتا تھا... تم لوگ یہاں آؤ گے... اس لیے میں نے پہلے ہی تھاری دھوت کا انتظام کر لیا تھا... اب اس کرے میں آرام کرو... جب تک چاہے رہو... مجھے کوئی اعتراض نہیں... یہ تھاری آخری آرام گاہ ہے۔“

اس کے ساتھی اس کی آواز بند ہو گئی... اور کرے

میں مجھ پر اندھیرا ہو گیا:



ذاتی معاملہ

”یہ... یہ کیا بھائی بس... آپ نے تو کرے میں مجھ
اندھیرا کر دیا... اب ہم ایک دوسرے کو کیسے دیکھیں گے... کم از کم
آدھے بلب تو جہار بننے دیتے... اب اس مجھ پر اندھیرے میں تو
تو نیاں ہی مار سکتی گے... ویسے اگر تم ہم سے تاک تو نیاں ہی
چاہئے ہو تو اور بات ہے... مجبوری ہے بھر تو...“ فاروق
حمدن بدلی کہتا چلا گیا۔

”یار کیا تاک تو نیاں تاک تو نیاں لگا رکھی ہے۔ کوئی اور
لٹکنیں موجود رہا کیا۔“ آفتاب نے جلا کر کہا۔

”اس اندھیرے میں بے چارے القاضی کی دال گل بھی کہے
سکتی ہے۔“ محمود نہما۔

”گ... کیا کیا کہا... القاضی کی دال۔“ آفتاب نے
جلدی سے کہا۔

”ہاں! لیکن یہ کسی ناول کا نام نہیں ہو سکتا۔“ فاروق کی

مايوسانہ آواز امیری۔

”نہیں ہو سکتا تو نہ ہو سکے... جائے بھاڑ میں... سوال تو یہ ہے کہ تم اس کرے سے نٹنے کی کوشش تو کریں سکتے ہیں۔“ خان رحمان کی آواز امیری۔

”شش شکر یہ خان رحمان۔“ پروفیر داؤڈ بولے۔

”یہ آپ نے شکر یہ کس بات کا ادا کیا ہے... پروفیر صاحب۔“

”اس بات کا کہ امیری میں بھی تم کرے سے نٹنے کی بات کر رہے ہو۔“

”آپ غلرنہ کریں... ہم سر دھڑ کی بازی لگادیں گے۔“

”لیکن اکل! آپ بھول رہے ہیں۔ بس نے کہا ہے... یہ ہماری آخری آرام گاہ ہے۔“

”اس کے کہنے سے کیا ہوتا ہے... ہم اپنی کوشش کریں گے... وہ اپنی کرتار ہے... محمود تم اپنا چاٹو نکالو۔“

”اس کے مقابلے میں چاٹو تو پہلے ہی ناکام ہو چکا ہے۔“

”وہ اس جل کا معاملہ تھا... یہ دروازہ لوے کا ہو گا یا لکھوی کا... لہذا محمود کا چاٹو ناکام کرے گا۔“

”اچھی بات ہے۔“ محمود کی آواز سنائی دی... پھر اس نے

کہا:

”یہ لیکن چاٹو۔“

اب وہ دروازے پر چاٹو آزمائے گئے... باقی لوگوں کو انہوں نے دروازے کے پاس سے ہٹا دیا تھا... کیونکہ اندر میرے میں چاٹو ادھر ادھر ہو سکتا تھا... باقی لوگ بھی بیکار نہیں بیٹھتے تھے... وہ کرے کوٹھو نئے گئے... دیواروں اور فرش کا جائزہ لینے لگے... آخر انکیز جمیڈ کی آواز امیری:

”وہ مارا... میں دروازے میں سوراخ کرنے میں کامیاب ہو چکا ہوں... اللہ نے چاہا تو ہم جلد کرے سے باہر ہوں گے۔“

”انشاء اللہ!“

”اور ابا جان... میں نے فرش میں ایک خلا بھی ٹلاش کیا ہے... اس خلامیں ایک کپ موجود ہے... کیا خیال ہے... اسے اوپر اٹھا کر یا نیچے دبا کر دیکھوں۔“

”ابھی نہیں فرزانت... کہیں ہمہب پھر نیچے نہ جا کریں... ہمارا مقابلہ اس مرتبہ ایک بہت زبردست انجینئر اور میک اپ کے ماہر ہے... اس نے اس سارے معاملے میں میک اپ کی مہارت سے بھی کام لیا اور ان جیئنر مگ سے بھی۔“

”اچھی بات ہے... پہلے آپ اپنی کوشش کر لیں۔“

الپکڑ جمیل بھر دروازے پر جٹ گئے۔ آخر ان کی آواز ایک بار پھر سنائی دی:

”دردازہ کھل گیا ہے... اور اب میں شاید اس عمارت کے بمآمدے میں ہوں، لیکن یہاں بھی اتنا ہی اندر ہیرا ہے۔“

”اوہ...“ ان کے منہ سے ایک ساتھ لکلا۔

”لیکن بھر حال... یہاں سونچ بورڈ ہو گا اور ہم اسے تلاش کریں گے۔“

”ٹھیک ہے۔“

اب وہ لگنے سونچ بورڈ کی تلاش میں دیواروں پر ہاتھ پھیرنے... آخر بورڈ میا... ہن دباتے ہی روشنی ہو گئی:

”اللہ کا ہر ہے... روشنی تو ہوئی۔“ پروفیسر داؤڈ نے خوش ہو کر کہا۔

انہوں نے دیکھا... وہ ایک برآمدے میں تھے جس کرے سے کھل کر وہ آئے تھے... انہوں نے اس میں بھی بلب روشن کر دیا تھا... اپنے سامنے کھڑکی دیکھ کر وہ اس کی طرف بڑھے... کھڑکی کھولی تو ہوٹل ٹو ہے کا پچھلا حصہ نظر آیا:

”بہت خوب! بات واضح ہو گئی... وہ یہاں سے کھل کر ٹو بے چلا جاتا ہے اور وہاں سے کھل کر یہاں آ جاتا تھا... آخری وار

اس نے یہ کیا کہ ہمیں یہاں قید کر گیا... اس کا خیال تھا کہ ہم یہاں بھوکے پیاسے مر جائیں گے... لیکن اس کا یہ وار بھی خالی گیا اور ظاہر ہے... اب وہ اس مکان کا رخ نہیں کرے گا... ہوٹل بھی نہیں جائے گا... لیکن اس سے ایک بار پھر غلطی ہو گئی ہے... اور اب وہ رخ نہیں سکتا۔“

”آپ کا اشارہ کس غلطی کی طرف ہے۔“

”وہ ہم سے باقیں کرتا رہا ہے... پہلے بھی باقیں کر چکا ہے... آواز بدل کر بات کرتے کرتے وہ بھی بھی اپنی اصل آواز کی طرف لوٹ جاتا ہے... مکمل طور پر تو نہیں... کسی حد تک... اب اگر وہ اپنے اصل روپ میں اصل آواز کے ساتھ مجھ سے بات کرے گا تو میں سمجھ جاؤں گا کہ وہی ہے۔“

”لیکن پہلے تو ہمیں اس تک پہنچنا پڑے گا... جب کہ ہم ابھی تک نہیں جانتے کہ وہ کون ہے۔“

”بھی اندازے تو آدمی لگائیتا ہے... اور میں نے ایک اندازہ بھر حال لگایا ہے... الپکڑ کامران مرزا بھی یہ انداز لگا چکے ہیں... اور میرا خیال ہے... اب اس سے ملاقات کریں گے۔“

”ارے باپ رے... تو آپ جان گئے ہیں... وہ کون ہے۔“

”ہاں کیوں نہیں... آؤ جلیں۔“
وہ مکان سے نکل کر ہوٹل کی طرف آئے... ماتحت عملے
کو اس مکان کے بارے میں ہدایات دے کر دہاچکی گاڑی میں روادہ
ہوئے... جلد ہی وہ دارا بخان شمیر کے دروازے پر کے...
”اے باپ رے... تو یہی ہے... ہمارا اس بار کا
 مجرم۔“ محمود نے حیران ہو کر کہا۔

”چھار ستم کبو۔“ انپکڑ جمیلہ مکرانی
محمود نے آگے بڑھ کر دستک دی... دروازہ فوراً ہی
کھلا اور دارا بخان کی صورت نظر آئی... ساتھ ہی ان سب کو دہاں
دیکھ کر اس کے چہرے پر حیرت دوڑ گئی:

”خیر تو ہے... آپ لوگ پھر آگے۔“ اس نے کہا۔
اس کی آواز سن کر انپکڑ جمیلہ اور انپکڑ کامران مرزا
چونکہ اٹھے۔ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر دونوں
کے درمیں سے ایک ساتھ نکلا:
”یہ کیا؟“

”کیا مطلب... کیا معاملہ ہے۔“ دارا بخان کے لمحے
میں حیرت ہی حیرت تھی۔

”ہم آپ سے کچھ بات کرنا چاہتے ہیں... معاملہ اب حد

”درجے پر اسرا رہ گیا ہے۔“
”آپ کا اشارہ اس بلیک میڈی کی طرف ہے؟“ اس نے
سوالیہ اداز میں کہا۔
”ہاں بالکل...“
”آئیے۔“
وہ انہیں ڈرائیکٹ روم میں لے آیا:
”آپ کب سے گرفتار ہیں۔“
”میں تو آج کہیں گیا ہی نہیں۔“
انپکڑ جمیلہ نے خیر فورس کے انجمنی کیا اور
بھولے:
”دارا بخان شمیر کے بارے میں کیا رپورٹ ہے۔“
”یہ شخص مجھ سے گرفتار ہیں ہے۔“
”کیا خیران کے گرفتار کوئی خیر راست ہوا اور اس راستے
نکل کر کہیں گئے ہوں۔“
”جی نہیں... یہ ایک کرائے کا مکان ہے... کرائے پر
رہنے کے لیے ہی بنایا گیا ہے... دارا بخان سے پہلے بھی یہاں
کرائے داری رچے تھے... لہذا اس مکان کا کوئی خیر راست نہیں ہے
... یہ سمجھ سے کہیں نہیں گئے... اس میں کوئی شک والی بات نہیں۔“

”اگر آپ ہمیں یہ بتادیں کہ بلیک میل آپ کو کس بنیاد پر
بلیک میل کرتا رہا ہے تو ہمارا کام آسان ہو جائے گا۔“

”میں نے بلیک میل سے ایک غلط کام کرایا تھا... بس اسی
بنیاد پر اس نے مجھے بلیک میل کرنا شروع کر دیا۔“

”وہ غلط کام کیا تھا... مہربانی کر کے ہادیں... ہم آپ کو اس جرم میں گرفتار نہیں کریں گے... یہ میرا وعدہ ہے۔“

”وہ میرا ذاتی معاملہ تھا... اس معاملے کا ٹھنڈا جرم سے نہیں
بنتا... اخلاقی تھا... بلکہ آپ یوں سمجھ لیں گے کہ مسئلہ تھا... لیکن
اگر وہ مسئلہ اخخارات میں آ جاتا تو میں کہیں کا نہ رہتا۔“

”کہل کے تو آپ اب بھی نہیں رہے... سب کچھ تو گنو
بیٹھے ہیں۔“

”دولت گتوں بیٹھا ہوں... میکن مگر کی عزت بیچ گئی... اور
اب چونکہ میرے پاس اسے دینے کے لیے کچھ بھی نہیں پچا، اس لیے
اب اس نے مجھے میرے حال رچھوڑ دیا ہے۔“

”خیر... ہم بھی آپ کو آپ کے حال پر چھوڑتے ہیں...
ہم اپنے مجرم کو کسی اور طریقے سے پکڑنے نہ گے۔ اب ہم چلتے ہیں۔“
وہ اس کے گھر سے ٹکل کر اپنے گمراہے... بیکم جمشید کا

پارہ بہت گرم تھا۔ جھوٹے ہی بولیں:

”اچھی بات ہے... ہم اس پر یقین کے لیئے... لیکن یہ
یقین کرنا ہمارے لیے اس وقت بہت مشکل کام ہے۔“

”جی کیا مطلب...“ نبراک چوٹکا۔

”ہمارے اندازوں کی عمارت ذمیر ہو گئی ہے... تمام
اندازے ظلط ثابت ہو گئے ہیں... اور اس کیس کا مجرم ہمارے لیے
اب تک ایک سعہر بن ہوا ہے۔“

”الترجم کرے... آپ تو ایسا نہ کہیں... اگر مجرم نے کہیں آپ کے یہ الفاظ سن لیے تو پھول کر کپا ہو جائے گا۔“

”سمجھ تو میں چاہتا ہوں۔“ انپر جمیلہ نے۔
”جی... کیا مطلب؟“

”جب وہ پھول کر کپا ہو جائے گا تو پھر غلطی کرے
گا... اور اس کی غلطیاں ہمارے کام آئیں گی... لیکن یہ تو بعد کی
بات ہے... اللہ نے چاہا تو ہم بہت جلد اسے پکڑ لیں گے... اچھا
ٹکریا۔“

فون بند کر کے وہ اس کی طرف ہڑے:

”آپ کو سرخاکی لاش دکھائی گئی تھی؟“

”میں ااا! لیکن وہ میرے بھائی کی نہیں تھی... وہ تو جرام پیشہ رخا کی تھی۔“

”پہا بھی ہے... کتنی بار کھانا گرم کر پھلی ہوں۔“
”بالکل پہا نہیں بیکم... آپ بتا دیں۔“ انہوں نے فوراً

کہا۔

ان کا منہ اور بن گیا... کھانے کے بعد وہ لا بھری ی
میں چلے آئے... ایک بار پھر سرخا کے قتل والی تصویر نکالی اور لگے
اسے غور سے دیکھنے:

”اب بہت زیادہ غور سے دیکھنے پر میں یہ بات کہہ سکتا ہوں
کہ اس کے چہرے پر میک اپ کیا گیا ہے... اور اس شخص کی حل اگر
میک اپ کے بغیر دیکھی جائے تو یہ ضرور درا ب خان کا بھائی سرخا ب
خان ہے...“

”اوہ ان کے منہ سے لکلا۔“

”اور ہم اس کے ڈرائیک روم میں لگی سرخا ب خان کی تصویر
اس تصویر سے ملا کی دیکھنے جا رہے ہیں... لیکن ہمیں وہ تصویر کراۓ
کے گھر میں نظر نہیں آئی... جو میلی میں ہم ضرور دیکھے چکے ہیں... ایک
منٹ... میں فون کر کے پوچھ لیتا ہوں۔“

یہ کہہ کر انہوں نے درا ب خان کے نمبر لایا۔ اس کی

آواز کر انہوں نے کہا:

”جو میلی کے ڈرائیک روم میں... آپ کے بھائی کی جو

تصویر گئی ہوئی تھی... وہ کہاں ہے؟“
”وہ میں نے آیا تھا... لیکن ابھی تک ڈرائیک روم میں
کانے کا موقع نہیں ملا۔“

”ہم وہ تصویر ایک بار پھر دیکھنا چاہئے ہیں۔“

”تشریف لے آئیں۔“ اس نے قدرے خزان ہو کر کہا۔

”آپ کو شاید یہ بات سن کر حیرت ہوئی ہے۔“

”ہاں... بھی بات ہے...“

انہوں نے وہ اخبارات ساتھ لے لیے... اور ایک بار
پھر وہاں بھی کھے... دارا ب خان کے چہرے پر حیرت ہی حیرت تھی:
”آخر یہ ہو کیا رہا ہے... آپ لوگ میرے پیچے ہاتھ دھو کر
ہی پڑ کرے ہیں۔“

”بس! ایک آدھ دن میں... بلکہ شاید آج ہی یہ کیس ختم
ہو لے والا ہے... ہم معافی چاہئے ہیں... آپ کو واقعی بہت تکلیف
دے رہے ہیں۔“

”غیر فرمائیں! آپ کس لیے آنا پڑا ہے آپ کو۔“

”بس وہ تصویر دکھادیں۔“

”بھی اچھا۔“

یہ کہہ کر وہ اندر چلا گیا... جلد ہی اس کی واپسی

ہوئی... اس کے چہرے پر ہوا بیکار اثر رعی تھیں:

”کیا بات ہے۔ خیر تو ہے۔“

”وہ... وہ تصویر غائب ہے۔“

”کیا مطلب... غائب ہے۔“

”ہاں! کوئی اسے لے لڑا۔“

”خیرت ہے... کمال ہے... آخر کوئی کیسے اس تصویر کو آپ کے مکان سے لے لڑا...“

”شاید وہ اس گمراہ بھیدی تھا۔“

”ہوں... خیر... ہم آپ کو یہ تصویر پہلے بھی دکھا کرے ہیں... اب ذرا سے ایک بار پھر غور سے دیکھیں۔“ یہ کہہ کر انہوں نے اخبار والی تصویر اس کے سامنے رکھ دی۔

اس نے اس پر نظر ڈالتے ہی کہا:

”یہ سرخا کی لاش ہے۔“

”بالکل ٹھیک... لیکن ہماری درخواست ہے کہ آپ اسے

غور سے دیکھیں۔“

”آخر اس کی کیا ضرورت ہے۔“

”بس... ضرورت ہے... آپ دیکھیں اسے غور سے۔“

آخر اس نے تصویر پر نظریں جادیں... کافی دیر تک

غور سے دیکھنے کے بعد آخر اس نے کہا:

”یہ سرخا کی لاش ہے... کیونکہ جب میں نے پولیس کو بتایا تھا کہ پھرے بھائی کی لاش کی تصور نہیں ہے... تب پولیس نے خود یہ کہا تھا کہ تب پھر یہ سرخا کی لاش ہے... جو مشہور جرم اُم پیشہ تھا۔“ اس نے پورے اعتماد سے بتایا۔

”ہوں... خیر... مطلب یہ کہ یہ تصویر آپ کو ہر لحاظ سے سرخا کی لگتی ہے... اور کسی بھی لحاظ سے اپنے بھائی کی نہیں۔“

”جی نہیں۔“ اس نے کہا۔

”لیکن!“ اپکر جمیل نے عجیب سے انداز میں کہا۔

”لیکن کیا۔“

”یہ تصویر سرخا کی نہیں... آپ کے بھائی کی ہے۔“

”کیا!!! اوه چلا اٹھا۔“



قاتل

چند لمحے تک وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے تصویر کو دیکھتا رہا... آخر بولا:

”آپ کا مطلب یہ ... اس روز جرام پیشہ سرخا نہیں... میرا بھائی مارا گیا تھا۔“

”ہاں! آپ کے بھائی کو ایک جرام پیشہ گروہ نے بلاک کیا تھا۔

”لیکن کیوں۔“ وہ چلا اٹھا۔

”اس گروہ کا کام ہی بھی تھا... وہ ایک طرح سے کرانے کے قاتل تھے... شہر میں کوئی شخص کسی کو قتل کرانا چاہتا تو ان کی مدد لیتا تھا... اس طرح کسی نے اس گروہ کے ذریعے آپ کے بھائی کو قتل کر دادیا۔“

”نہ نہیں... نہیں... یہ غلط ہے۔“ اس نے خوف کے عالم میں کہا۔

”میکی بات ہے۔“

”آخر آپ یہ بات کیسے کہہ سکتے ہیں۔“

”اس گروہ کے طریقہ کار پر غور کرنے کے بعد میں اسی نتیجے پر پہنچا ہوں... گروہ کا سر غذہ لوگوں کو بلیک میل کرتا ہے... سوال یہ ہے کہ کیسے اور اس سوال کا جواب یہ ہے کہ بلیک میل کو پہلے ہی معلوم ہوتا ہے کہ کس نے اس کی خدمات حاصل کی ہیں، لہذا اس بغایاد پر گروہ اسے بلیک میل کرنا شروع کر دیتا ہے کہ وہ پولیس کو ثبوت فراہم کر دے گا۔ کشم نے اپنے فلاں رشته دار کو قتل کر دیا ہے...“

”اوہ اوہ۔“ مارے خوف کے ایک بار پھر اس کے مذہبے کا۔

”لہذا اب میں ایک بات یقین سے کہہ سکتا ہوں۔“

”اور گروہ کیا۔“

”بلیک میل نے جو آپ کو کوڑی کوڑی کا حاجج کر ڈالا... تو اس بغایاد پر کہ آپ نے اس کے ذریعے اپنے بھائی کو قتل کر دیا تھا... یہ بات اسی کو معلوم تھی... لہذا اسی بات پر آپ کو بلیک میل کیا۔“

”نہ نہیں... یہ غلط ہے۔“

”اگر یہ غلط ہے تو پھر آپ کو بتایا ہو گا کہ وہ آپ کو کس بغایاد پر بلیک میل کرتا رہا ہے۔“

”نہیں... نہیں... میں یہ بات نہیں بتا سکتا۔“ وہ چیخا۔
”اس لیے کہ... اس طرح آپ قانون کے مکنے میں
آجائیں گے...“ انپر جھیڈ سکر دیے۔

”آپ... آپ نے بالکل غلط نتیجہ نکالا ہے۔“
”تب پھر جو درست بات ہے، آپ وہ بتا دیں۔“
”میں نہیں بتا سکتا۔“

”اس صورت میں ہم آپ کو گرفتار کر رہے ہیں... کمرہ
احقان میں جب آپ کو مکنے میں کس دیا جائے گا... اس وقت آپ
وہاں فر فر نہیں گے...“ یہ کہہ کر انہوں نے اکرام کے نبر
ڈلیا... اور وہ اس کی آواز نکر بولے۔

”اکرام... دراب خان ششیر کے کرائے کے مکان پر
آجائیں... اسے کمرہ احقان میں لے جانا ہے۔“

”نہیں... نہیں۔“ دراب خان پوری قوت سے
چلا یا۔

”بھی اس میں اس قدر پریشان ہونے کی کیا ضرورت
ہے...“ خان رحمان نے منہ بیایا۔

”حد ہو گئی... آپ مجھے قتل کا مجرم ثابت کرنے پر یعنی
ہیں۔ اور کہہ رہے ہیں، اس میں اس قدر پریشان ہونے کی کیا

ضرورت ہے۔ خیر میں اقرار کرتا ہوں... میں نے ہی اس بیٹے ملک
کے ذریعے اپنے بھائی سرخاب خان ششیر کو قتل کرایا تھا۔“

”اپے باپ رے۔“ کئی آوازیں اجڑیں۔

”اب آپ آئے سیدھے راستے پر... بس اب صرف یہ تبا
دیں کہ آپ کا اس بیٹک ملک سے رابطہ کیسے ہوا تھا۔“

”ان دونوں اخبارات میں ایک اشتہار شائع ہوتا تھا اور
بہت باقاعدگی سے شائع ہوتا تھا... اشتہار کے القاظ یہ ہوتے
تھے... کیا آپ کسی وجہ سے پریشان ہیں، کسی شخص کی طرف سے
پریشان ہیں... ہم آپ کی پریشانی لمحوں میں ختم کر سکتے
ہیں... آزمائش شرط ہے... آزمائش کی کوئی شرط نہیں... ن القاظ
کے نیچے لکھا ہوتا تھا۔ روحاںی علاج گاو... 110 گارڈن کالونی، فون
نمبر بھی لکھا ہوتا تھا... میں نے سوچا... اپنی پریشانی ان کے ذریعے
حل کر دالوں... میں نے نوٹ کیا... تو ادھر سے کسی پروفیسر عرفانی
نے بات کی... میں نے اس سے کہا کہ میں اپنی ایک پریشانی کے
سلسلہ میں بات کرنا چاہتا ہوں۔“ بس اس نے مجھے ملاقات کا وقت
دے دیا، میں ان سے ملا... اپنی پریشانی بتائی... انہوں نے بس
پریشانی کے حل کی فیس دس لاکھ تھائی... میں نے پوچھا آپ کس کے
کیا... انہوں نے بتایا... بس آپ کے بھائی کو غائب کر دیا جائے
ہیں۔ اور کہہ رہے ہیں، اس میں اس قدر پریشان ہونے کی کیا

گا... سوئیں جال میں پھنس گیا... میں نے وہ لاکھ تو دے دیے۔
لیکن اس کے بعد چابی گویا ان کے ہاتھ میں دے دی... بس میرے
بھائی عائب ہو گئے... چند دن بعد اس لاش کی تصویر شائع
ہوئی... میں نے اپنا چھاؤ کرنے کے لیے قانے میں رپورٹ درج
کر ادی تھی... لہذا لاش لٹنے پر تھانے دار نے مجھے بالا لایا... لاش مجھے
دکھائی گئی، میں نے تباہی کردہ لاش میرے بھائی کی نہیں ہے... اور
اس کے بعد مجھے بلیک میل کرتا شروع کر دیا... یہ ہے کہاں: کہاں تک
کہہ کر وہ خاموش ہو گیا...”

“لیکن انہوں نے پولیس کو کیا جزیں سمجھنے کی بات کی تھی...
جس کی بنا پر آپ خوف ذرہ ہو گئے۔”

“میرے بھائی کے قتل کا مذہر تھا... اور قتل کرنے والا بھی
بالکل میری ٹھلل صورت کا تھا۔”

“میں نہیں جانتا... وہ تصاویر انہوں نے کیسے تیار کر لی
تھیں... اور وہ دن اور آج کا دن... اس نے رقبیں اپنے اپنے کر مجھے
کنگال کر دیا۔”

“ہوں! وہ تصاویر دکھا سکتے ہیں آپ۔”

“جی نہیں... اس کے بارے میں اس نے ہدایات دی تھیں
کہ ان کو جلا دیا جائے، سو میں نے ان تصاویر کو جلا دیا تھا۔”

”ہوں... کیا آپ پھر بھی اس طرف کے... وہ دفتر اب
بھی وہاں ہے یا نہیں۔“

”مجھے معلوم نہیں... اس نے یہ بھی کہا تھا... اس دفتر کا رخ
نہ کروں اور نہ کسی سے اس محاٹے کا ذکر کروں... ورنہ یہ تصاویر
پولیس کو بھجوانا کون شامل کام ہے۔“

”ہوں... اچھا... ہم چیک کر لیتے ہیں۔“
انہوں نے پروفیسر عرفانی کے نمبر پر فون کیا، دوسرا
طرف سے فوراً کہا گیا:

”پروفیسر عرفانی بات کر رہا ہوں... فرمائیے۔“

انہیں یہ الفاظ سن کر حیرت ہوئی... کیونکہ ان کا خیال
تھا کہ اب وہ دفتر موجود نہیں ہوا اور نہ اس نمبر پر کوئی بات کرے
گا... انہوں نے آواز پدل کر کہا:

”مجھے ایک بہت بڑی پریشانی نے آیا ہے... کیا آپ
میری مدد کر سکتے ہیں۔“

”جی نہیں... ان دونوں دفتر بند ہے... آپ ایک ماہ بعد
فون کریں۔“ ان الفاظ کے ساتھی فون بند کر دیا گیا۔

”گویا موجودہ حالات میں انہوں نے دفتر بند کر دیا
ہے... لیکن انہیں پھر بھی امید ہے کہ ہم ان کا سراغ نہیں لگا سکیں گے“

اور وہ اپنا کام دوبارہ شروع کر سکتی گے... خیر میں تو اس دفتر کا تو
جاگہ لے لےتا ہوگا۔“

انہوں نے دراب خان کو اکرام کے حوالے کیا اور خود
اس پتے پر پہنچ گئے... دفتر کو تالا لگایا ہوا تھا... آس پاس والوں سے
پوچھا جاؤ ایک دکان دار نے بتایا:

”پروفیسر عرفانی ایک بخت سے غائب ہیں۔“

اب انہوں نے تالا کھولا اور اندر داخل ہو گئے۔
الگبیوں کے نشانات اٹھائے گئے، وہ نشانات فوراً اکرام کو دیے گئے
اس نے اپنے ریکارڈ سے ملائے اور پھر انہیں بتایا:

”یہ نشانات ایک بہت پرانے بلیک میلفوزی کے ہیں...“
”اورو فوزی سے کہاں ملاقات ہو سکتی ہے۔“

”یہ دیکھنا ہو گا... میں آپ کو چند منٹ بعد بتا سکوں گا۔“
”اچھا اکرام۔“

چند منٹ بعد اکرام کا موصول ہوا:
”مریز گیارہ سال پہلے وہ جبل سے رہا ہوا تھا... اس کے بعد
سے لاپتا ہے۔“

”ہوں... گویا ہم ایک بار پھر مجرم کا سراغ کو جیسے
ہیں... انہوں نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا... اور یوں۔“

”اب کیا کیا جائے۔“

”اس دفتر کے آس پاس کے لوگوں سے سوالات کیے
جائیں... شاید ان میں سے کوئی ایسی بات بتا دے جس سے ہمیں
پروفیسر عرفانی تک پہنچنے میں مدد جائے۔“ انکھڑ جمیں نے مشورہ
دیا۔

اب وہ پروفیسر عرفانی کے دفتر پہنچ... انہوں نے آس
پاس کے لوگوں سے پوچھ گجو شروع کی... آخر ایک سگر بیٹ فردوس
لے تباہا۔

”عرفانی صاحب! ایک غیر ملکی کمپنی کے سگر بیٹ کے بہت
زیادہ شو قین ہیں... ان اطراف میں چونکہ وہ سگر بیٹ نہیں ملتے، اس
لیے مجھے ان کے لیے ایک بڑی مارکیٹ سے وہ سگر بیٹ خرید کر لانا
پڑتے ہیں... چھ دن پہلے انہوں نے بتایا تھا کہ ان گے پاس سگر بیٹ
ختم ہو گئے ہیں، اس لیے میں نے ان کے لیے منگوا لیے... اور وہ کسی
کو بھج کر منگوا نہیں گے...“

”بہت خوب ادیکھیے... چار اتعلق پولیس سے ہے۔“

”بھی... کیا مطلب؟ وہ کبراً اگیا۔

”آپ کو کبرا نے اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اگر
آپ نے قانون کی مدد کی تو قانون بھی آپ کی مدد کرے گا... ہمیں

اس شخص سے کچھ پوچھ گئے کرنی ہے... اس سلسلے میں تو آپ ہماری مدد کریں گے۔"

"جی... ضرور کیوں نہیں سر۔"

"اچھا تو پھر یوں کریں... ہم یہاں سے کچھ دوڑ کھڑے ہو جاتے ہیں... جب وہ آئے تو آپ سر کی طرف ہاتھ لے جا کر اشارہ کر دیں... ہم بھجوں گئیں گے۔"

"جی اچھا!"

اور وہ ڈہاں سے ہٹ آئے... ایسے میں آصف نے مرا سامنہ بنا کر کہا:

"اب نہ جانے وہ صاحب کب تشریف لائیں۔"

"ہاں: یہ بات بھی ہے... تو پھر اکرام اور اس کے ماتھوں کے ذریعے یہ کام لے لیتے ہیں اور ہم گھر پلے جاتے ہیں، جونہی ان کی طرف سے روپرٹ ملے گی... ہم چل پڑیں گے۔"

"یہ صحیک رہے گا۔"

اب انہوں نے اکرام کو ڈہاں بلا لیا... ساری بات اسے سمجھائی پھر سگر ہٹ دالے کا سامنا اس سے کرائے کرائے کرائے کرائے... چار گھنٹے بعد اکرام کافون ملا... وہ کہہ رہا تھا۔

"وہ آگیا ہے سر... اب ہم اس کا تعاقب کریں

گے... آپ بھی نکل کھڑے ہوں۔"

"اچھی بات ہے اکرام... بہت احتیاط سے تعاقب کرتا... ایک گاڑی اس سے آگے اور ایک گاڑی پیچے رہے گی اور اسے تعاقب کا نیک نہ ہونے پائے۔"

"آپ فکر نہ کریں سر۔"

پھر وہ گھر سے نکل آئے اور اکرام سے رابطہ کرتے ہوئے آخر ڈہاں تک پہنچ گئے جہاں وہ تھا... وہ گاڑی ایک کوٹھی کے سامنے رک گئی... وہ کافی قاطلے پر رک گئے... یہاں تک کہ کار کے لیے دروازہ کھولا گیا... کار اندر چلی گئی... اور دروازہ بند کر لیا گیا، پھر وہ مت بھروسہ آگے بڑھے، اکرام نے اپنے ماتھوں کو ہدایات شروع کر دیں... پھر وہ کار سے اتر کر دروازے پر آگئے... انہوں نے دیکھا دروازے پر بھادر علی خان ایڈو وکیٹ کی جختی تھی، انپکڑ جمیش کے اشارے پر محمود نے جمیش کا بٹن دبادیا:

"کیا ہم مجرم سے ملاقات کرنے والے ہیں۔" "آصف

بڑھا گیا۔

"ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا... تاہم ہم مجرم کے ایک ساتھی تک ضرور پہنچ گئے ہیں... پروفیسر عرفانی یا تو خود بس ہے یا بس کا ساتھی..."

”اور یہ بھادر علی خان۔“ آتاب نے انگلی سے اشارہ کیا۔
”یہ بھی ان کا ساتھی ہو سکتا ہے... آخر کیس وغیرہ کے سلطے
میں انہیں وکیل کی بھی تو ضرورت پیش ہوتی ہوگی۔“
”ہوں...“

اتنے میں دروازہ مکلا اور اسی شخص کی ٹھنڈی نظر آئی جو اس
کار میں آیا تھا... معاف کیجیے گا... ہمیں بھادر علی خان سے ملتا ہے۔“
”میں انہیں بتاتا ہوں۔“ یہ کہہ کر وہ گیٹ پسند کرنے
لگا... لیکن انپکڑ کامران مرزا نے پاؤں آگے کر دیا۔
”یہ کیا کیا آپ نے۔“
”ہم آپ کے ساتھی امدادی رہے ہیں۔“
”لیکن یہ ملاقات کا کون سا طریقہ ہے۔“ اس نے بھٹاک کر
کہا۔

”طریقہ نمبر 13... دیسے آپ کا نام کیا ہے۔“
”میرا ہی نام بھادر علی خان ہے اور میں ایک وکیل
ہوں... آپ لوگوں کو غیر قانونی طور پر اپنے گھر میں داخل ہونے پر
گرفتار کر سکتا ہوں۔“

”ہم بھی بھی چاہتے ہیں۔“ فاروق مسکرا کر
”بھی چاہتے ہیں... کیا چاہتے ہیں۔“

”یہ کہ آپ ہمیں گرفتار کروادیں... ہم کوئی اعتراض نہیں
کریں گے۔“

”آپ لوگ عجیب ہیں۔“

”ہم صرف عجیب ہی نہیں... غریب بھی ہیں۔“ آتاب
نے فوراً کہا۔

اس وقت انپکڑ کامران مرزا امداد داخل ہو گئے:

”آپ اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار رہے ہیں۔ وہ چلا اٹھا، شاید
اس کا مقصد یہ تھا کہ امداد بیٹھے لوگ باخبر ہوں... لیکن انہوں نے کوئی
پرواہ نہ کی... کیونکہ کہ باہر اکرام کے ماتحت موجود تھے۔

”کیا بات ہے بھادر علی خان۔“ کسی نے امداد سے
کہا۔

یہ آواز سن کر ان کے دل دھڑک اٹھے... کیونکہ یہ
آواز باس کی آواز تھی... اور وہ یہ آواز سنتے رہے تھے:

”باہر کچھ لوگ ہیں... وہ مجھ سے ملتا چاہتے ہیں... اور بلا
اجازت امداد حکم آتے ہیں... میں اس پر اچھا جگہ کر رہا ہوں۔“

”میں آرہا ہوں... دیکھتا ہوں... کون لوگ ہیں۔“

اور پھر امدادی دروازہ مکلا... ایک شخص باہر
کلا... پھر جو نبی اس کی نظر ان پر پڑی... وہ بہت زور سے

اچلا... اس کے منہ سے ایک زوردار جیج ٹلی:



سرخی

انہوں نے دیکھا... اس کا چہرہ ان کے لیے اجنبی تھا،
لیکن وہ اسی شخص کی آواز باس کی آواز کے طور پر سننے رہے تھے:
”خبردار!“ اسپکٹر کامران مرزا نے پستول سے اسے زد پر
لے لیا۔ اس کی آنکھوں میں اور خوف دوڑ گیا اس کے ہاتھ اور پاؤں
اثھ گئے۔ ”اس وقت مارے جمرت کے بھادر علی خان کے منہ سے
کلا۔

”کیا مطلب... یہ سب کیا ہے۔“
”مطلب تو ہم بعد میں بتائیں گے... پہلے تو آپ یہ
تھائیں کہ آپ کا ان صاحب سے کیا تعلق ہے۔“ اسپکٹر جعید نے طنزیہ
لپجھ میں کہا۔

”یہ... یہ میرے دوست ہیں... میرے ہاں یہاں نہیں
ہوئے ہیں... ویسے اسی شہر میں رہتے ہیں۔“ بھادر علی خان نے جلدی
جلدی کہا۔

”اور اس وقت کہاں گئے تھے۔“

”میں... میں... میں سگر ہٹ لینے گیا تھا۔“

”سگر ہٹ لینے کے لیے بھلاکوئی اتنی دور بھی جاتا ہے۔“

”یہ... میرے دوست خاص قسم کی سگر ہٹ پیتے ہیں... اور یہ سگر ہٹ خاص جگہوں سے ملتے ہیں... اس لیے مجھے اتنی دور سے لانے پڑے۔“

”لیکن سگر ہٹ والے نے تو ان کا نام پروفیسر عرفقانی بتایا ہے۔“ فرزاد بول اٹھی۔

”من... نہیں... نہیں۔“ وہ بری طرح چلا اٹھا۔

”بہت خوب! یہ ہوئی تا بات تو آپ دونوں ساتھی ہیں... اور ہمیں چکر دینے کوشش کر رہے تھے... خیر... اب سن لو... تم لوگوں کے دن گئے جا چکے... خود کو قانون کے حوالے کر دو۔“

”پتا نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں۔“ بہادر علی خان بولے۔

”ہم نے کہا ہے... آپ دونوں خود کو قانون کے حوالے کر دیں۔“

”لیکن کیوں... آخر ہم نے کیا کیا ہے۔“

”ابھی تو آپ پروفیسر عرفقانی کے نام سے چونکے ہیں... وہ

پروفیسر عرفقانی جو روحاںی علاج کے اشتہارات اخبارات میں شائع کرا رہے ہیں... اور خاص قسم کی سگر ہٹ پیتے ہیں... اب اس وقت عرفقانی صاحب کے ساتھ جو شخص ہے... کیا یہ ہوٹل ڈوبے کے مالک نہیں... جنہیں ہوٹل کے لازمیں باس کرتے ہیں۔“

”پتا نہیں آپ کیا کر رہے ہیں اور کہاں کی ہاکر رہے ہیں۔“

”وہ ہم آپ کو بتا دیں گے۔“ محمود نے بر اساضہ بتایا۔

”ہم بتا دیں گے... کیا بتا دیں گے... بھی وضاحت بھی تو کرونا۔“ آصف نے اسے گھورا۔

”بھی کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور کہاں کی ہاکر رہے ہیں... آپ دونوں کو ہمارے ساتھ چلنا ہو گا۔“

”کہاں چلنا ہے۔“ دونوں ایک ساتھ بولے۔

”پولیس اسٹیشن اور کہاں؟“

”ہمارا جرم۔“

”بلیک میلنگ... قتل، جس بے جائیں رکھنا، ہوٹل ڈوبے کے نیچے ذاتی جیل میں لوگوں کو قید کرنا، ان سے بڑی بڑی رقمیں ایشنا۔“

”خوب خوب اتویں سب باقیں آپ ثابت کریں گے۔“

”ہاں: اور نہیں تو کیا... محمود فاروق تم اس مکان کی تلاشی لے لو... اور ہاں ہمیں الگیوں کے نشانات بھی اٹھانا ہیں... یہاں ملنے والے نشانات اگرڑو بے ہوٹل کے کمرے سے مل گئے تو ہمارے لیے مفید ہوں گے۔“

”آپ فکر نہ کریں... ہم نشانات بھی ساتھ ساتھ اٹھالیں گے۔“ آخرد دست ہیں۔“

چھوٹی پارٹی نے اعذر کا رخ کیا تو انپکٹر جسٹین نے ان سے کہا:

”اب تم صرف یہ بتا دو... بآس کپاں ہے۔“

”کون سا بآس... پہاں نہیں آپ کیا باتمن کر رہے ہیں۔“

”مطلوب یہ کہ دونوں آسانی سے زبان نہیں کھل لو گے۔“

”آپ جو کچھ پوچھ رہے ہیں... وہ ہمارے بس سے باہر ہے۔“

”کیا تمہارا نام پروفیسر عرفانی نہیں... جس کا دفتر 110 گارڈن کالونی میں ہے۔“

”نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔“

”تب ہم تمہیں تمہارے دفتر لے چلتے ہیں... اگر وہاں آس پاس کے لوگوں نے تمہیں پروفیسر عرفانی کے طور پر پہچان لیا تو

ٹھیک... ورنہ ہم تمہیں چھوڑ دیں گے۔“

”ٹھیک ہے۔“ اس نے کہا۔

چھوٹی پارٹی کو وہیں چھوڑ کر وہ انہیں گارڈن کالونی والے دفتر تک لے آئے... انہیں آس پاس کے لوگوں کے سامنے کیا گیا اور ان سے پوچھا:

”یہ پروفیسر عرفانی ہیں نہ۔“

ہر ایک نے ایک ہی جواب دیا۔

”جی نہیں... یہ پروفیسر عرفانی نہیں ہیں۔“

اب قمارے حیرت کے ان کا بر احوال ہو گیا... ایسے

میں یہاں علی خان نے طریقہ لجھ میں کہا:

”اب آپ کیا کہتے ہیں۔“

”واقعی ہم سے بہت بڑی غلطی ہوئی... آپ جاسکتے ہیں... بلکہ آپ لوگ گاڑی میں بیٹھیں... ہم آپ کو وہیں چھوڑ کر آئیں گے... ابھی ہمارے ساتھی بھی تو دعی پر ہیں... انہیں بھی تو وہاں سے لینا ہے... آئیں جائیں۔“

وہ ان دونوں کو داہمی وہیں لے آئے... مگر کے اعذر داخل ہوئے تو چھوٹی پارٹی بت نہیں پہنچی نظر آئی... یہ دیکھ کر وہ سب مکراۓ... انپکٹر جسٹین نے ان سے پوچھا:

”تم لوگوں کو کیا ہوا بھی۔“

”اس عمارت میں کچھ نہیں ہے... الگیوں کے نشانات بھی صرف ان دونوں کے ہیں... البتہ...“ آصف یہاں تک کہہ کر رک گیا۔

”البتہ کے بعد کچھ کہنا منع ہے کیا۔“ محمود نے اسے گھورا۔
”نہیں تو... میں تو بس یہ دیکھنے کے لیے رک گیا تھا کہ تم میر کرتے ہو یا نہیں۔“ آصف نے نفس کر کھا۔

”حد ہو گئی... ہے کوئی تک... اصل بات بتا دو۔“

”البتہ... اندر کھانے کی میز پر ہمیں چائے کے تین کپ رکھے ہیں... جبکہ یہاں رہنے والے دو ہیں... یعنیوں کپ ہمیں بلکے سے گرم بھی لگتے تھے... رجھے ہیں دو آدمی... غالباً ہمارے آنے سے پہلے وہ چائے پیارہ ہے تھے... سوال یہ ہے کہ تیرے کپ میں چائے کون پی رہا تھا۔“

”اچھی بات دریافت کی... ابھی ان سے پوچھ لیتے ہیں۔“
انپکڑ جمیش نے پر جوش انداز میں کہا، پھر وہ ان کی طرف ہڑے اور خوش گوار بچھے میں بو لے:

”تم دونوں نے ہمارے پیارے بچوں کا خوب صورت اور حسین سوال تو سن ہی لیا ہو گا... اب ذرا اس کا جواب بھی دے دو...“

اگرچہ ہم جانتے ہیں، جواب بہت بھوٹا ہو گا۔“
”ایک پڑوی آگئے تھے۔“ بیدار علی خان نے بڑا سامنہ بنایا۔

”یہ ہے شان دار جواب... محمود... اسے ساتھ لے جاؤ... بلکہ آصف تم بھی ساتھ جاؤ... ان کے ان پڑوی کو لے آؤ... جنہوں نے خوش تھستی سے ان ساتھ چائے پینے کا شرف حاصل کیا ہے۔“

”بھی واہ... اس نے بیٹھے بھائے شرف حاصل کر لیا... اور ہم مدد کیتے رہ گئے۔ خیر... تم ان کے ساتھ جاؤ... اور پڑوی کو لے آؤ۔“

”آؤ بھی چلیں۔“ محمود نے جلدی سے کہا۔
بیدار علی خان اپنی جگہ سے ہلاک نہیں... اس پر خان رحمان نے اس کے سینے پر ایک ہاتھ رواؤ ربو لے:

”جائے کوئی نہیں۔“

”وو... وو... وو...“

”تمن بارہ کہنے کی بجائے تمن دو کہہ دیتے۔“ آتاب نے منہ بنایا۔

”وہ کوئی پڑوی نہیں تھا... ایسے ہی کوئی شخص چلا آیا تھا...“

یعنی بولا بھٹکا... کسی کا گمر پوچھ رہا تھا... بس ہم نے اسے بھی
چائے کی دعوت دے ڈالی۔“

”اچھا کیا... بلکہ بہت اچھا کیا... ایسا ہی کرنا چاہیے...
آپ لوگ واقعی بہت نیک ہیں... لو بھی تیرے کپ کا مسئلہ تھا
ہو گیا... اب کوئی اور بات کرو۔“

”جیا ہاں! ایک بات اور بھی ہے۔“ فرزانہ مسکرائی۔

”اوہ... لیکن دیکھو فرزانہ ایک اور بات تیرے کپ جسی
نہ ہو... درستہ یہ پھر کسی آتے جاتے کو اندر آنے کی دعوت دے بخشی
گے۔“

”جی نہیں... وہ ایسی بات نہیں ہے۔“

”چلو پھر تو تم بتا سکتی ہو...“

”اندر ایک کمرے کے فرش پر ایک جوتا موجود ہے...
وسرے پر کاجوتا موجود نہیں۔“

”ہائیں... یہ کیا بات ہوئی... اس گمراہی میں جو دونوں
حضرات نظر آرہے ہیں... ان دونوں کے بیویوں میں تو دو دو جو تے
ہیں... وہ جوتا بھی اگر ان میں سے کسی کا ہے... تو اس کا دوسرا بھی
ہوتا چاہیے... وہ جوتا تو جادو کا لگتا ہے... ذرا اٹھا کر لانا اے۔“

”ارے باپ رہے... آپ مجھ سے جادو کا جوتا منکانا...“

چاہتے ہیں...“ فرزانہ گھبرا گئی۔

”اوہ... خرید کر نہیں لانا...“ فرحت نے جلا کر کہا۔

”اچھ... اچھا۔“ فرزانہ نے کہا اور اندر پڑی گئی۔

”بے چارے اچھے چھا کے دو ٹکڑے کر دیے۔“ فاروق
بولा۔

”کس قدر رحم دل ہے... الفاظ اُنک پر رحم کھا رہا ہے۔“
آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔

”تم بھی کھالو... روکا ہے کسی نے۔“ آفتاب نے اسے
سمورا۔

اسی وقت فرزانہ جوتا لے آئی:

”یا آپ میں سے کس کا ہے۔“

”میرا!“ بہادر علی خان نے فوراً کہا۔

”اس کا دوسرا کہاں ہے...“

”ظاہر ہے... گمراہی میں ہو گا...“

”خوب خوب! پہلے تو یہ پہن کر دکھائیں ناذرا۔“ آفتاب
نے خوش ہو کر کہا۔

”اس کی کیا ضرورت ہے... آپ کس قسم کی باتیں کر رہے
ہیں... اب جوتا پہن کر دکھائیں انہیں۔“ بہادر علی خان نے جلا کر

کہا۔

”مجوری ہے... آپ کا کہنا ہے... یہ جو تا آپ کا ہے
... تو پہن کر دکھانے میں کیا حرج ہے۔“

”لائے... پہن کر دکھا دیتا ہوں۔“ اس نے جلن کئے
اعداز میں کہا اور پھر اپنا جوتا نکال کر وہ جوتا پہننے لگا... لیکن جوتا اس
کے پاؤں میں نہ آ سکا... وہ اس کے پاؤں سے کافی چھوٹا تھا۔

”لگتا ہے، آپ نے کافی چھوٹا جوتا خرید لیا... تاکر دکان
دار کو زیادہ پیسے فتح جائیں... سبھی بات ہے تا... ہی ہی ہی۔“ آفتاب
لگانے۔

”لیکن کیا خبر یہ جوتا پروفسر عرفانی صاحب کا ہوا اور بہادر علی
خان نے مردست میں کہہ دیا ہو کہ یہ ان کا ہے... پروفیسر صاحب ذرا
یہ جوتا آپ پہن کر دکھائیں گے۔“

”نہ نہیں... یہ میر انہیں ہے۔“ وہ ہٹکایا۔

”تب تو پھر اس کا مطلب ہے... یہ اس شخص کا ہے... جس
نے قیرے کپ میں چائے لیا تھی... اور جب ہم آئے تو اس نے
غائب ہونے کی کوشش کی... اس کوشش میں اس کا ایک جوتا پاؤں
سے ٹکل گیا... ایک جوتے کے ساتھ وہ مگر سے باہر نہ نہیں جا سکا...
لہذا وہ مگر میں ہی کہیں ہے... چلو بھی... تم ذرا اس پیسے رسم کو ٹلاش

کرو۔“

”جی اچھا!“ انہوں نے ایک ساتھ کہا۔

مگر میں ہر طرف دیکھنے کے بعد وہ وہیں لوٹ آئے
... محمود نے کہا:

”جی... نہیں... کوئی چھپا رسم نہیں ملا۔“

”تب پھر اس کا مطلب صرف اور صرف ایک ہے... اور
وہ یہ کہ اس مکان کے نیچے بھی ہوٹل کی طرح ایک تہہ خانہ موجود ہے
اور وہ ہمیں ٹلاش کرنا ہو گا۔“ انپکڑ کامران مرزا بولے۔

”اسے ٹلاش کرنے کا ایک سیدھا طریقہ بھی ہے اب اجان۔“
آفتاب مکرا یا۔

”بہت خوب! جلدی بتاؤ! وہ کیا طریقہ ہے۔“

”وہ سیدھا طریقہ یہ ہے۔“

یہ کہتے ہی آفتاب نے پستول جیب سے کال لیا اور اس
کی نال کارخ پروفیسر عرفانی کی طرف کرتے ہوئے بولا:

”پروفیسر صاحب... اب یا تو آپ اس تہہ خانے کا راست
 بتائیں گے... یا بھر گولی کھائیں گے... دونوں باتوں میں سے آپ
 کو جو پسند ہو، وہ ہمیں بتاویں...“

”نہ نہیں۔“ وہ چھا۔

”نہیں کہنے سے مقصد حاصل نہیں ہوگا... آپ بس یہ بتائیں... تبہ خانے کا راستہ کس طرف ہے... اس کے علاوہ ہم کچھ نہیں سنیں گے اور آپ کو دس تک گئے کی مہلت ہے... آفتاب! میں گفتی شروع کر رہا ہوں... اور تمہیں حکم دیتا ہوں... جو نہیں میرے منہ سے دل کا لفظ لٹکے... تم فائز کر دینا اور ٹھیک دل کا نشانہ لیتا۔ یہ بات ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ تمہارا نشانہ بہت یقینی پختہ ہے۔“

”بہت بہتر!“

اور پھر اپکڑ کاران مرزا لگتے گفتے... ابھی آفتاب نے پانچ کہا تو چلا اٹھا:

”تمہر جائیں... گفتی روک دیں... یہ آپ بہت زیادتی کر رہے ہیں... مجھے کچھ معلوم نہیں کہ اس مکان کے نیچے کوئی تبہ خانہ ہے یا نہیں اور اگر ہے تو اس کا راستہ کس طرف ہے۔“

”راستہ تو ہم تلاش کر لیں گے... آپ صرف اتنا بتا دیں کہ یہ جوتا کس کا ہے۔“

”جی... جوتا۔“ وہ ہٹکایا۔

”ہاں! اگر یہ آپ کا گمراہ ہے تو آپ کو معلوم ہونا چاہیے... یہ جوتا کس کا ہے... یا آپ کے گمراہ میں کہاں سے آگیا... ہے بھی ایک... یادوں ہوتے... آپ کا اس بارے میں کیا جواب

ہے۔“ اپکڑ جمیڈ نے سرداڑہ از میں کہا۔

جواب میں وہ خاموش رہا... آخر اپکڑ کاران مرزا نے کہا:

”ایسے کام نہیں چلے گا... یا آپ بتائیں گے یا ہم آپ کو شوٹ کریں گے اور یہ بات یاد رکھیں... تبہ خانے کا دروازہ ہم آخر کا رتلاش کر لیں گے... آپ بلاوجہ جان سے جائیں گے۔“

”اجھی بات ہے... میں بتا دیتا ہوں... لیکن شرط ایک ہے۔“

”اور وہ کیا؟“

”آپ مجھے قانون کی گرفت سے بچائیں گے۔“

”میں یہ نہیں کر سکتا... کوئکہ نہیں جانتا... آپ کس حد تک مجرم ہیں، راستہ بتانا ہے تو بتائیں... ورنہ ہم آپ دونوں کو شوٹ کر رہے ہیں... آفتاب میں آگے گئے رہا ہوں۔“ وہ غرائی۔

”ایک منٹ! میں بتاتا ہوں... جس کمرے میں جوتا ملا ہے... اس میں آتش داں کے اوپر لگے فریم کے نیچے راستہ کھلا ہے... دائیں ہاتھ دیوار کے رنگ کا بٹن لگا ہے... وہ ابھرنا ہوا نہیں ہے... بخورد یکھنے سے یقیناً نظر آ سکتا ہے۔“

”بہت خوب! چلو پھر اس کمرے میں۔“

...وہ خالی ہاتھ تھا... اور بے نظری کے عالم میں چلا آ رہا تھا... یہ دیکھے
کر دے سکر ادیے، پھر ان پکڑ جشید کی آواز گونج گئی:
”ہاتھ اوپر اٹھا دو چھپے رسم!“

وہ بڑی طرح اچلا... اور پھر اس کے ہاتھ اوپر اٹھ
گئے... آنکھوں میں خوف دوڑ گیا۔ انہوں نے دیکھا... اس حل
صورت کے شخص کو دوچھلی بار دیکھ رہے تھے:



اب وہ ان دونوں کو اس کمرے میں لے آئے... بن
دیا گیا۔ فوراً عی آتشِ دان کے فرم کے بیچے راستِ محل گیا اور
یہ میاں نیچے جاتی نظر آئیں:

”تم دونوں آگے چلو... اسے بتا دو... تم آرہے ہو...
ورنہ وہ گولی چلا دے گا اور تم بے موت مارے جاؤ گے، جب کہ
ہمارے خیال میں اصل مجرم تو وہ ہے... تم اس کے ساتھی ضرور ہو،
اس نے مجرم نہیں جتنا کروہ ہے۔“
”ہوں ٹھیک ہے۔“

وہ دونوں یہ میاں اتنے لگے... ان کے بیچے عی وہ
بھی چل پڑے... پتوں انہوں نے ہاتھ میں لے لیے تھے... ایسے
میں پروفیسر عرفانی نے کہا:

”باس! یہم ہیں۔“
”تو وہ چلے گئے۔“

”ہاں باس!“ اس نے کہا۔

”بہت خوب! جب پھر میں خود اوپر آ جاتا ہوں۔“
”ٹھیک ہے... آ جائیں۔“

وہ رک کر ٹھرے اور واپس اوپر آگئے... ان سے پہلے
عی وہ پلٹ چکے تھے... جلد ہی انہوں نے باس کو باہر آئے دیکھا

مجرم

”کون ہو بھائی تم۔“ قاروں نے حیران ہو کر کہا۔

”یہاں نہیں۔“ اپکر جمیش مکارے۔

”جی کیا فرمایا آپ نے ... یہ صاحب یہاں نہیں
ہیں... میرا مطلب ہے، ان کا نام ”یہاں نہیں“ ہے۔“

”یہ بات نہیں۔“

”جب پھر؟“

”اس کے بارے میں بات یہاں نہیں کریں گے ... دفتر
چل کر کریں گے... وہاں آئی جیسا صاحب اور دوسراے افراد کو بھی بلا
لیتے ہیں۔“

”باٹکل غمیک ہے۔“ اپکر کامران مرزا بولے۔

اور پھر وہ دفتر آگئے... وہاں کئی آفسر بھنگ پکھے تھے۔

اپکر جمیش کی ہدایات پر داراب خان کو بھی لایا گیا... اس کے چھرے
پر حیرت عی حیرت تھی... یہ بات محسوس کر کے اپکر جمیش بولے:

”آپ کو کس بات پر حیرت ہے۔“

”جب میں نے ان لوگوں سے رابطہ کیا تھا کہ میں اپنے
بھائی کو ہلاک کر دانا چاہتا ہوں... تو اسی شخص نے مجھ سے اکر
ملقات کی تھی۔“

”کیا!!!“ ان کے منزے سے ایک ساتھ کھلا۔

چند سینٹ میٹر سب بت بنے اس کی طرف دیکھتے رہے
پھر ان پکر جمیش نے کہا:

”تب پھر داراب خان... جبکی اس گروہ کا سر غذہ ہے...
یعنی بھائی وہ بلیک میلر ہے... جس نے تمہیں کوڑی کوڑی کوحتاج کر دیا
ہے اور آخر اخراج تم سلاخوں کے پچھے ہو۔“

”لیکن یہ کون ہے۔“

”ہوٹل ڈوبے کا مالک... اس نے اس ہوٹل میں تمام طازم
جو انہم پیشہ جمع کیے تھے... ہوٹل کا کاروبار تو بس دکھاوا تھا... اصل میں
تو اس ہوٹل کے ذریعے یہ لوگوں کو بلیک میل کرتا تھا...“

اس کے بعد انہوں نے تمام تفصیلات سناؤالیں...

آخر میں بولے:

”اس کی آواز اور ہنسنے کے انداز نے ہمیں تفہیش کے درست
راستے پر ڈالا تھا... یہ میک اپ اور پلاسٹک سرجری کا بہت بڑا ماہر
پر حیرت عی حیرت تھی... یہ بات محسوس کر کے اپکر جمیش بولے:

ہے... اس نے اپنے تمام ملازمین کے طیبے بدلتے تھے... ظاہر ہے اپنا طیبی بھی ضرور بدلتا ہوگا... کیوں مشرب اس... تم کچھ کہنا چاہو گے۔“

”ہاں! کیوں نہیں۔“ اس نے صاف اور سیدھی آواز میں کہا۔

اس کی آوازن کر داراب خان ایک بار پھر زور سے اچھلا... مارے جرت کے اس کی آنکھیں پھیل گئیں:
”کیوں داراب خان... کیا ہوا؟“ انپکڑ جشید نے۔
”یہ... میں کیا دیکھ رہا ہوں ... یہ... یہ کیسے ہو سکتا ہے۔“

”کیا کیسے ہو سکتا ہے؟“ آئی جی صاحب نے جرمانہ کر پوچھا۔

”یہ کہ یہ شخص مجرم ہو... داراب خان دراصل یہ کہتا چاہتا ہے... کیوں داراب خان؟“

”ہاں! ایسی بات ہے۔“

”تو کیا داراب خان اس شخص کو پوچھاتا ہے۔“
”ابھی ابھی آوازن کر پوچھانا ہے اس نے...“ انپکڑ جشید مسکرائے۔

”بھی ساری بات جلدی سے تادیں... مارے بے چتنی کے میرا بڑا احوال ہے۔“ آئی جی بولے۔

”مشرب خا... آپ اپنا میک اپ خود ختم کریں گے یا میں یہ کام کروں۔“

”کیا کہا... سرخا... سرخا تو مارا گیا تھا...“ آئی جی صاحب چلائے۔

”جی نہیں... جو مارا گیا تھا... وہ کوئی اور تھا... اس کے پھرے پر سرخا کامیک اپ کیا گیا تھا۔“

”اوہ... اوہ... نہیں۔“ داراب خان نے بوکھلا کر کہا۔
”کیوں... کیا ہوا؟“

”وہ... وہ لاش سرخا کی نہیں... میرے بھائی کی تھی... جسے میں نے اس بلیک میڈر کے ذریعے قتل کرایا تھا... اس وقت میں نے اسے اپنے بھائی کے طور پر پہچاننے سے جان بوجھ کر انکار کیا تھا... تاکہ پولیس مجھے تک کی نظر دن سے نہ دیکھے... اور اس پہلو سے تفتیش شروع نہ کر دے کر کہیں میں نے اپنے بھائی کو کرائے کے قاتل سے قتل کر دیا... اور ہوا بھی بھی... میں جان گیا تھا کہ میرا بھائی مارا جا چکا ہے... اور بھی میں چاہتا تھا... تو یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ یہ میرے بھائی کی لاش ہے... اب ظاہر ہے... پولیس میرے بھائی کو

کبھی تلاش نہیں کر سکتی تھی۔“

”ہوں... یہ سب تو ہوا... اب سوال یہ ہے کہ یہ بلیک ملدر کون ہے... کیا یہ شخص قانون کے لیے اجنبی ہے۔“ آئی جی بولے۔
”ٹھیک سر... ابھی ہم اس کا اصل چیزہ دیکھیں گے... چلو بھی اپنا میک اپ خود ختم کرو... ورنہ ہم لوگ تو پھر تنざب کے ذریعے اس کو ختم کر لیں گے۔“

”ٹھیک ہے... اب چھپا کر کرو گا بھی کیا۔“ اس نے کہا اور اپنا میک اپ ختم کرنے میں مصروف ہو گیا... سب حیرت زدہ انداز میں اسے ایسا کرتے دیکھ رہے تھے... کئی پتلی جھلیاں اور جلد کی رنگت کے کسی مادے کے مکڑے اس نے جھرے سے الگ کیے... اور پھر تو وہاں موجود بھی لوگ اچھتے تھے... سب سے زیادہ زور سے داراب خان اچھلاتا تھا... کیونکہ اس کی شکل سے بالکل مٹا جاتا ایک شخص ان کے سامنے موجود تھا:

”یہ... یہ کون ہے؟“ کئی آوازیں اجبریں۔

”سرخاب خان شمشیر... یعنی داراب خان کا بھائی... جسے اس نے قتل کرنے کے لیے اسی کی خدمات حاصل کیں... یہ خود ہی میک اپ میں اس سے آکر ملا... معاملہ طے کیا، رقم وصول کی... اور کسی لاش کے چہرے پر اپنا میک اپ کر دیا... یہ چونکہ سرخاب کے نام

سے کئی وارداتیں کر چکا تھا... اس لیے اس کی لاش کو سرخاب کی لاش خیال کیا گیا۔“

”مل... لیکن جھیڈ... یہ کس طرح مکن ہے... اس کا بھائی تو صرف دس سال پہلے غائب ہوا تھا... گویا دس سال پہلے یہ دلوں ملنے جلتے تھے... اتنے عرصے میں یہ اتنا بڑا جرام پیش کیے بن گیا... اس نے ہوٹل کے نیچے تھہ خانہ تک بنا دیا... وہاں جیل قائم کر لی... یہ بات تو حق سے نہیں اتر رہی۔“

”اس کی وضاحت سرخاب خان خود کر دے تو اچھا ہے... کیونکہ ہم لوگ تو اندرازوں کی بیماری پر بات کرتے ہیں... چلو سرخاب خان اس بات کی بھی وضاحت کرو۔“ انپکڑ جھیڈ نے کہا... آخر اس کے ہونٹ لئے:

”میں کافی کے زمانے میں بڑی محبت میں پڑ گیا تھا... پھر شہر کے ایک جرام پیشہ شخص کی نظریں مجھ پر پڑ گئیں... اس نے مجھے اپنے گردہ میں شامل کر لیا... ہوٹل ٹوپے دراصل اس نے بنوایا تھا... مجھے تو یہ سب اس کے مرنے کے بعد تیار شدہ ملا تھا:

”وہ اپنی موت آپ مرا تھا... یا تم نے اسے موت کے کھاث اتارا تھا کہ پورے گردہ کے سرخون بن جاؤ۔“
”یہی بات ہے... اور اس سے پہلے میں نے اس سے میک

اپ کرنا سیکھ لیا تھا۔ وہ میک اپ کا بہت بڑا ماہر تھا... جب میں نے اس سے یہ فن سیکھ لیا اور اس میں خوب ماہر ہو گیا تو اسے ٹھکانے لگا دیا... اور پروفیسر عرفانی والے اشتھارات کے ذریعے لوگوں سے دولت حاصل کرنے لگا... اسی سلسلے میں دارالاب خان نے رابطہ کیا... وہ مجھے ہلاک کرانا چاہتا تھا کہ میں اس سے نصف دولت کا مطالبہ نہ کروں... اس کی غرض تو بس یہ تھی... میں نے سوچا... جس دولت کے لیے یہ مجھے ہلاک کرانا چاہتا ہے... میں اسے اس دولت سے بالکل محروم کر دوں گا... اور زندگی بھر یہ اس خوف میں جلدار ہے گا کہ کہیں بھائی کے قتل کے جرم میں پولیس اسے گرفتار نہ کر لے اور میں نے بھی کیا... بس یہ ہے کل کہانی۔“

”کہانی تو واقعی ختم ہو گئی... اور بہت سبق آموز انداز میں ختم ہوئی... یہ دولت ہے ہی ایسی چیز... جھرت تو اس بات پر ہے کہ آخر لوگ اس دولت کے بیچھے ہاتھ دھو کر کیوں پڑ گئے ہیں... یہاں تک کہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں اور کیا اس سے یہ بہتر نہیں کہ ایسے لوگ پانی سے ہاتھ دھولیا کریں۔“ فاروق نے بڑا اسمانہ بنایا۔

”ہے کوئی تک اس بات کی۔“ افتاب نے بھنا کر کہا۔

”اگر یہ بات تک کی نہیں... تو تم شروع کر دو تک کی بات... ہم سب سننے کے لیے تیار ہیں۔“

”دھت تیرے کی... تو ہے ہم سے۔“ محمود تملکا کر جو لا۔ اور سب مکرانے لگے... مجرموں کے چہروں پر رات کی تار میک چھا چکی تھی۔



اطلانٹس پلکیشنز

اطلانٹس پلکیشنز کاؤنٹری A-36
0300-2472238, 32578273, 34228050
e-mail: atlantis@cyber.net.pk
www.inspector-jamshed-series.com